PRINTED BOOK



سہ ماہی — ممبئی

افکار رضا

بیادِ امام اہلِ سنت مجددِ دین و ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ العزیز

اپریل تا جون ۲۰۰۶ء / صفر المظفر تا ربیع الآخر ۱۴۲۷ھ

''بریلی کے مولانا احمد رضا خان صاحب جن کو ان کے معتقد مجدد مأتہ ماضیہ کہتے ہیں اور در حقیقت طبقۂ صوفیا کرام میں بہ اعتبار علمی حیثیت کے وہ منصبِ مجدّد کے مستحق ہیں۔ انہوں نے ان مسائلِ اختلافی پر معرکے کی کتابیں لکھی ہیں جو سالہا سال سے فرقۂ وہابیہ کے زیر تحریر و تقریر تھے اور جن کے جوابات گروہِ صوفیا کی طرف سے کافی وشافی نہیں دیئے گئے تھے۔ ان کی تصنیفات و تالیفات کی ایک خاص شان اور خاص وضع ہے۔ یہ کتابیں بہت زیادہ تعداد میں ہیں اور ایسی مدلل ہیں جن کو دیکھ کر لکھنے والے کے تبحر علمی کا جید سے جید مخالف کو اقرار کرنا پڑتا ہے۔ مولانا احمد رضا خان صاحب جو کہتے ہیں وہی کرتے ہیں اور یہ ایک ایسی خصلت ہے جس کی ہم سب کو پیروی کرنی چاہیے۔ ان کے مخالف اعتراض کرتے ہیں۔ مولانا کی تحریروں میں سختی بہت ہے۔ وہ بہت جلد کفر کا فتویٰ دوسروں پر لگا دیتے ہیں۔ مگر شاید ان لوگوں نے مولانا اسماعیل شہید اور اُن کے حواریوں کی دل آزار کتابیں نہیں پڑھیں جن کو سالہا سال صوفیا کرام برداشت کرتے رہے۔ ان کتابوں میں جیسی سخت بد کلامی برتی گئی ہے اس کے مقابلے میں جہاں تک میرا خیال ہے مولانا احمد رضا خان صاحب نے اب تک بہت کم لکھا ہے۔ جماعتِ صوفیا علمی حیثیت سے مولانا موصوف کو اپنا بہادر صف شکن اور سیف اللہ سمجھتی ہے۔ اور انصاف یہ ہے کہ بالکل جائز سمجھتی ہے۔''

〈خواجہ حسن نظامی دہلوی〉

تحریک فکر رضا

۱۶۷، ڈِم ٹِمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ ۴۰۰۰۰۸ (انڈیا)

R.N.I. Registration No.: 71248/99

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کی ترویج کا علمی علم بردار

سہ ماہی افکارِ رضا ممبئی

اپریل تا جون ۲۰۰۶ء جلد ۱۲ شمارہ ۲ (۴۴) صفر المظفر تا ربیع الآخر ۱۴۲۷ھ

مدیر : محمد زبیر قادری (موبائل: 98679 34085)

منیجر : محمد اسحٰق برکاتی (موبائل: 93239 54522)

Distributed in Pakistan By :

Markazi Majlis-e-Reza

P.O.Box: 2206, Lahore, Pakistan

Distributed in England By :

THE ISLAMIC TIMES

C/o. 138, Northgate Road,
Edgeley, Stockport, SK3 9NL ENGLAND

Distributed in Australia By :

SHEHZAD ALI

P.O. Box: 51, Lurnea 2170,
NSW, AUSTRALIA

Correspondence Address: رابطہ کا پتہ:

Tehreek-e-Fikr-e-Reza

167, Dimtimkar Road, Nagpada, Mumbai - 400 008.

Office Address: آفس کا پتہ:

95, Undria Street (Chowki Mohalla), Mumbai - 400 008 India

Website: www.fikreraza.net Email: editor@fikreraza.net

پرنٹر پبلشر محمد اسحٰق محمد عمر نے پرنٹ ٹاپ پرنٹنگ پریس 18، شنکر بلڈنگ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ 400008
سے چھپوا کر دفتر 167، ڈم ٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ 008 400 سے شائع کیا۔

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا

متوسلینِ رضا

منقبت در اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی

از: حضرت مولانا سعید اعجاز کامٹوی رحمۃ اللہ علیہ

پرتوِ نورِ نبی احمد رضا
روشنی ہی روشنی احمد رضا

جس سے روشن ہوگئے تاریک دل
ایک ایسی روشنی احمد رضا

مُردہ دل کیا خاک سمجھیں گے انہیں
زندہ دل کی زندگی احمد رضا

سُنّیت احمد رضا کی زندگی
سُنّیت کی زندگی احمد رضا

سُنّی و سُنّی گر و سُنّی نواز
ذاتِ والا آپ کی احمد رضا

کنزالایماں قومِ مسلم کو دیا
ہیں سخاوت کے دھنی احمد رضا

کیا کہے گا اب کوئی نعتِ نبی
کہہ گئے نعتِ نبی احمد رضا

غیروں کے حق میں ترا طرزِ قلم
کاٹ تھی تلوار کی احمد رضا

اُلفتِ احمد، بشر کے روپ میں
ڈھل گئی تو بن گئی احمد رضا

ذکر کیا اعجاز کا، دنیا تمام
مدح خواں ہے آپ کی احمد رضا

اداریہ

کیا اس طوفان کی ہمیں خبر ہے

حال ہی میں سورت، گجرات میں ایک تنظیم فاؤنڈیشن برائے اتحادِ مذاہب (فیورک) کا اجرا ہندستان کے مسلمان نام کے صدر عبدالکلام کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ جس کے اغراض و مقاصد کے اہم نکات یہ ہیں: مختلف مذاہب کے درمیان مذہبی ہم آہنگی، احترامِ مذاہب، سماجی و معاشی بہبود، بین العقاید مکالمات، متعدد مذاہب کے مذہبی تہواروں کا انعقاد، یک جماعتی لنگر، مخلوط دعا وغیرہ۔ اس تناظر میں معاصر جراید نے خوب لکھا ہے اور اس پر تمام ہی جراید میں لکھا جانا چاہیے تا کہ لوگوں میں زیادہ سے زیادہ اس تعلق سے بیداری پیدا ہو اور ہم اپنے مذہب وعقیدے کی حفاظت کے تئیں اور بھی حساس ہو جائیں۔

اس ضمن میں احقر یہ عرض کرنا چاہے گا کہ اس طرح کی تنظیموں سے ہمیں اس قدر خائف ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔ بھلے ہی اس تنظیم کو حکومت کی سرپرستی کیوں نہ حاصل ہو مگر نتائج کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس کے اثرات بہت کم افراد پر ہی مرتب ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم مسلمانوں میں کچھ نام نہاد افراد ایسے موجود ہیں جو اس پروگرام پر برسہا برس سے عمل پیرا ہیں اور اتحاد بین المذاہب و سیکولرازم (لادینیت) پر عملی طور پر خود بھی کوشاں ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیکر اپنی تعداد بڑھا رہے ہیں۔ یہ لوگ میٹھے زہر کی طرح ہمارے اندر سرایت کرتے جارہے ہیں۔

اس کے علاوہ غیر مسلم اکثریت کے درمیان رہنے والے مسلمانوں پر غیر مسلم کلچر چھاتا جارہا ہے۔ ان علاقوں کے مسلمان، اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کے ساتھ ان کے تہواروں میں شریک ہوکر ان کے تہوار جوش وخروش سے مناتے ہیں۔ جبکہ عید، بقرعید، رمضان وغیرہ پر انھیں اپنے یہاں مدعو کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ یہ وہ مسلمان ہیں جو احکامِ شرع سے تقریباً نابلد ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس حد تک گزر جاتے ہیں کہ ان کی پوجا میں شرکت کرکے ماتھے پر تلک لگانے میں بھی عار نہیں سمجھتے۔

ہندستان میں اسلام صوفیاے کرام کے ذریعے پھیلا جنھوں نے یہاں کے کلچر کو دیکھتے

ہوئے تبلیغ و اشاعتِ اسلام کا کام انجام دیا۔ ان صوفیائے کرام نے غیر مسلموں کے درمیان رہتے ہوئے اپنے عمل، تعلیمات اور تبلیغ سے ایسے اثرات مرتب کیے کہ غیر مسلم خود ان کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کرنے لگے۔ یہ تعداد رفتہ رفتہ بڑھتی ہی چلی گئی اور آج آپ خود ہند و پاک اور بنگلہ دیش (متحدہ ہندستان) میں مسلمانوں کی تعداد سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ صوفیائے کرام نے کتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔

غیر مسلم، اسلام کی اسی طاقت سے ہمیشہ بے حد خوف زدہ رہتے آئے ہیں۔ آزادی کے بعد جب ملک کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں آئی تو انھوں نے اپنے مذہب و کلچر کے تحفظ کے لیے کوششیں تیز تر کردیں۔ آر ایس ایس ہندستان کی اوّل نمبر کی مسلم مخالف تنظیم ہے۔ جس کا مقصدِ واحد ہی ہندستان سے مسلمانوں کا خاتمہ ہے۔ یوں تو یہ تنظیم ہمہ وقت مسلمانوں کی جان، مال، عزت و آبرو کے درپے آزاد رہتی ہے اور کسی نہ کسی بہانے ملک کے کسی بھی کونے میں فساد برپا کرواکر اپنے مقصدِ واحد کی تکمیل میں لگی رہتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے تربیت یافتہ نوجوانوں کو ایک پروگرام کے تحت کالجوں و یونی ورسٹیوں میں چھوڑا ہے کہ وہاں زیرِ تعلیم مسلم لڑکیوں کو محبت کے جھوٹے جال میں جکڑ کر ان سے شادی کرو۔ اگر وہ ہندو ہونے پر راضی ہوجائیں تو ٹھیک ورنہ مسلمان رکھتے ہوئے ہی ان سے شادی کرو اور ان کی آنے والی نسلوں کو بگاڑو۔ اس مشن پر خفیہ طور پر عمل ہورہا ہے۔ آج ہماری عصری درس گاہوں میں مرد و زن کے اختلاط سے جو کچھ ہورہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ وہاں زیرِ تعلیم طلبہ و طالبات جدید تراش خراش اور نیم عریاں لباس زیب تن کرکے آتے ہیں اور بہت جلد آپس میں گھل مل جاتے ہیں۔ ایسے میں کسی سلمیٰ کا کسی رام سے متاثر ہوجانا کوئی غیر معمولی بات نہیں لگتا۔ ہماری مسلمان لڑکیاں جو گھر کے بند ماحول سے ذرا سی آزادی میں آتی ہیں تو ان کو گویا کھل کھیلنے کی اجازت مل جاتی ہے اور وہ ہر "حد" سے گزر جاتی ہیں۔ اس طرح کی کہانیاں پورے ہندستان کی تقریباً تمام ہی درس گاہوں میں بآسانی مل جائیں گی۔ جس کا انجام ہوتا ہے ایک مسلمان گھرانے کی بربادی، آنے والی نسل کی بربادی۔ یہ طوفان فیورک سے زیادہ خطرناک ہے۔ اس کے اثرات اس قدر مہیب ہیں کہ ہماری مسلمان بہنوں کا مذہب، عزت و آبرو ہر شے خطرہ میں ہے۔ کیا ہم اس سے باخبر ہیں؟ کیا ہم نے اس کے تدارک کے لیے کوئی لائحہ عمل مرتب کیا ہے؟ جبکہ یہ تو گھر گھر کی بات ہے۔

آپ بالی ووڈ (ہندستانی فلم انڈسٹری) کو دیکھ لیں جس کے اثرات سے دنیا کا کون سا گوشہ ہے جو متاثر نہ نظر آتا ہو۔ (ہمارے پڑوسی ملک کی نوجوان نسل تو سرتاپا بالی ووڈ کی دیوانی ہے) یہاں بھی آپ کو اسلام پامال ہوتا نظر آئے گا۔ کثیر تعداد ایسے غیر مسلم مرد اداکاروں کی ہیں جنھوں نے مسلمان اداکار لڑکیوں سے شادیاں کرلی ہیں۔ جن کی نئی نسل، دین کو صرف چند رسومات کا مجموعہ ہی سمجھتی ہے۔ اور ہماری نوجوان نسل تو ان فلمی اداکاروں کی ہر سُنّت پر بہت جلد عمل پیرا ہوجاتی ہیں۔

آج انڈیا میں فلمیں اور ٹی وی سیریلس ایک خاص مقصد کے تحت اس طرح بنائی جارہی ہیں جس سے مسلمان کی شبیہ خراب ہو۔ مسلمانوں کو چور، ڈاکو، اسمگلر، ڈان، زانی، بے ایمان، دہشت گرد، غدارِ وطن سب کچھ بنا کر یہ ذہن بنایا جارہا ہے کہ مسلمان ایسا ہی ہے۔ ان ہی فلموں اور ٹی وی کے ذریعہ مسلمانوں کے کلچر کو رفتہ رفتہ بالکل ہی تبدیل کیا جارہا ہے اور ہمیں احساس بھی نہیں ہورہا۔ اس کے علاوہ اس میڈیا کے ذریعہ مسلمان لڑکیوں کو غیر مسلم لڑکوں سے شادی کی ترغیب دی جاتی ہے اور ان کی برین واشنگ کرتے ہوئے یہ بات ذہن میں بٹھائی جاتی ہے کہ مذہب شادی کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں، مذہب کی کوئی اہمیت نہیں (معاذ اللہ)۔ لیکن ہم کس قدر مجبور ہیں کہ اس کے تدارک کے لیے کچھ بھی عملی تیاری نظر نہیں آتی۔

ہمارے لیے صوفیاے کرام کی سیرت بہترین نمونۂ عمل ہے جنھوں نے تن تنہا ہند میں آکر ہزاروں لاکھوں لوگوں کو مسلمان کیا۔ ہمیں صوفیاے کرام کی سیرت کو اپنانا ہوگا، زیادہ سے زیادہ عام کرنا ہوگا تب ہی اس طوفان کا مقابلہ کرنے کے قابل ہوسکیں گے۔ غیر مسلموں میں اسلام پھیلانے سے کہیں آسان کام مسلمان کو 'مسلمان' بنائے رکھنا ہے۔ اربابِ علم و دانش سے میری گزارش ہے کہ اس مسئلے پر غور فرمائیں اور اپنے مفید مشوروں اور آرا سے آگاہ فرمائیں تاکہ اس کی روشنی میں قوم وملت کے تحفظ کی کوششوں کو تیز تر کیا جاسکے۔

محمد زبیر قادری

0000000

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے دل کی آواز اور درود شریف کے متعلق ایک نفیس نکتہ

ترتیب: خلیل احمد رانا

امام احمد رضا خاں قادری بریلوی علیہ الرحمہ اپنے رسالہ "نفی الفی عمن استنار بنور کل شئی" میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عدمِ سایہ پر دلائل دے کر آخر میں لکھتے ہیں!

"فقیر کو حیرت ہے ان بزرگواروں نے رسول اللہ صلی تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزاتِ ثابتہ و خصائصِ صحیحہ کے انکار میں اپنا کیا فائدہ دینی و دنیاوی تصور کیا، ایمان بے محبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاصل نہیں ہوتا، وہ خود فرماتے ہیں: لا یومن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہٖ وولدہٖ والناس اجمعین.

"تم میں سے کوئی مسلمان نہ ہوگا جب تک میں اسے اس کے ماں باپ اور سب آدمیوں سے زیادہ پیارا نہ ہوں"۔

اور آفتابِ نیم روز کی طرح روشن کہ آدمی ہمہ تن اپنے محبوب کے نشر فضائل و تکثیر مدائح میں مشغول رہتا ہے، سچی فضیلتوں کا مٹانا اور شام و سحر نفی محاسن کی فکر میں ہونا کام دشمن کا ہے نہ دوست کا۔

جانِ برادر! تونے کبھی سنا ہے کہ تیرا محبّ تیرے مٹانے کی فکر میں رہے اور پھر محبوب بھی کیسا، جان ایمان و کان احسان، جسے اس کے مالک نے تمام جہان کے لیے رحمت بھیجا اور اس نے تمام عالم کا بار تن نازک پر اٹھا لیا، تمہارے غم میں دن کا کھانا، رات کا سونا ترک کر دیا، تم دن رات لہو و لعب اور ان کی نافرمانیوں میں مشغول اور وہ شب و روز تمہاری بخشش کے لیے گریاں و ملول۔

جب وہ جانِ رحمت و کانِ رأفت پیدا ہوا، بارگاہِ الٰہی میں سجدہ کیا اور رب ھب لی امتی فرمایا، جب قبر شریف میں اتارا لب جاں بخش کو جنبش تھی، بعض صحابہ نے کان لگا کر سنا، آہستہ آہستہ اُمتی فرماتے تھے، قیامت میں بھی انہیں کے دامن میں پناہ ملے گی، تمام انبیاء علیہم السلام سے نفسی نفسی اذھبوا الی غیری سنو گے اور اس غم خوارِ اُمت کے لب پر ربِّ اُمتی کا شور ہوگا۔

بعض روایات میں ہے کہ حضور ارشاد فرماتے ہیں، جب انتقال کروں گا، صور پھونکنے تک قبر میں اُمتی اُمتی پکاروں گا، کان بجنے کا یہی سبب ہے کہ وہ آواز جان گداز اس معصوم عاصی نواز کی جو ہر وقت بلند ہے، گاہے ہم سے کسی غافل و مدہوش کے گوش تک پہنچتی ہے، روح اسے ادراک کرتی ہے، اسی باعث اس وقت درود پڑھنا مستحب ہوا کہ جو محبوب ہر آن ہماری یاد میں ہے، کچھ دیر ہم ہجراں نصیب بھی اس کی

یاد میں صرف کریں۔

وائے بے انصافی، ایسے غم خوار پیارے کے نام پر جان نثار کرنا اور اس کی مدح ستائش ونشر فضائل سے آنکھوں کو روشنی، دل کو ٹھنڈک دینا واجب یا یہ کہ حتیٰ الوسع چاند پر خاک ڈالے اور بے سبب ان کی روشن خوبیوں میں انکار نکالے۔

اے عزیز! چشم خرد بین میں سرمۂ انصاف لگا اور گوش قبول سے پنبۂ اعتساف نکال، پھر یہ تمام اہل اسلام بلکہ ہر مذہب وملت کے عقلاء سے پوچھنا، پھر اگر ایک منصفِ ذی عقل بھی تجھ سے کہہ دے کہ نشر محاسن وتکثیر مدائح نہ دوستی کا مقتضیٰ نہ ردّ فضائل ونفی کمالاتِ غلامی کے خلاف، تو تجھے اختیار ہے ورنہ خدا و رسول سے شرما اور اس حرکتِ بے جا سے باز آ، یقین جان لے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوبیاں تیرے مٹائے نہ مٹیں گی۔

جانِ برادر! اپنے ایمان پر رحم کر، سمجھ، دیکھ کہ خدا سے کسی کا کیا بس چلے گا اور جس کی شان وہ بڑھائے اسے کوئی گھٹا سکتا ہے، آئندہ تجھے اختیار ہے، ہدایت کا فضل الٰہی پر مدار ہے"۔

(امام احمد رضا خاں "نفی الفیٔ عمن استنار بنورہ کل شیٔ" مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۸۹ء، ص ۶۷۔۶۸)

☆☆☆☆☆☆

اخبارِ رضا

رضا اکیڈمی ممبئی کا دینی، علمی، اصلاحی وادبی مجلہ سال نامہ "یادگارِ رضا" ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء شائع ہوگیا ہے۔ یہ شمارہ حضور مفتیٔ اعظم ہند علامہ شاہ محمد مصطفےٰ رضا نوری بریلوی کے ۲۵/عرس مبارک کے موقع پر "حضور مفتیٔ اعظم نمبر" کے بطور پیش کیا گیا ہے۔ مرتب: غلام مصطفےٰ رضوی (مالی گاؤں)، یہ شمارہ رضا اکیڈمی، ۲۶/ کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی ۳ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ☆ امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر، رام پور روڈ، بریلی شریف نے سال نامہ "تجلیاتِ رضا" ۲۰۰۶ء شائع کردیا ہے۔ ☆ مدیر جہانِ رضا، لاہور محترم پیرزادہ اقبال احمد صاحب فاروقی کے اداریوں کا مجموعہ بنام "جہانِ رضا کے اداریے" کتابی شکل میں شائع ہوگئی ہے۔ مرتبہ: محمد عالم مختار حق، ناشر: تاریخ ساز فاؤنڈیشن، پوسٹ بکس نمبر ۲۲۰۶، لاہور، پاکستان۔ ☆ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب کی تاریخ ساز تحریروں کا گلدستہ "باتوں سے خوشبو آئے" مولفہ: محمد صلاح الدین سعیدی، ناشر تاریخ ساز فاؤنڈیشن، پوسٹ بکس نمبر ۲۲۰۶، لاہور، پاکستان

فتاویٰ رضویہ (جدید) سے استفادہ

〈احتیاط کی اہمیت و ضرورت〉

تحریر: خورشید احمد سعیدی، اسلام آباد

رضا فاؤنڈیشن لاہور کی لائق صد احترام لَجنۃُ البحثِ و التحقیق نے بہت کم مدت میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ کے علمی ذخیرہ فتاویٰ رضویہ کو جس خوبصورت شکل میں مرتب کر کے پیش کیا ہے وہ نہ صرف پاک وہند کے اہل سنت بلکہ پورے عالمِ اسلام میں اس حوالہ سے کام کرنے والوں کے خصوصی شکریے کی مستحق ہے۔ اکیسویں صدی کے آغاز میں فتاویٰ کا تازہ ترین ایڈیشن بین الاقوامی معیار کے مطابق بہترین جلد، کاغذ، تعارفی مقالات، تمہیدی مضامین، مختلف فہارس وغیرہ سے مزین ہے۔ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور اور فتاویٰ ہذا کی ترتیب نو، تصحیح اور تخریج کے لیے منتخب علما کی ٹیم کا نام رہتی دنیا تک اس کام کی بدولت روشن رہے گا۔

فتاویٰ رضویہ جدید پر کام کرنے والے تجربہ کار اور ماہرین اساتذہ فن کی عرق ریزی اور دقت نظری کے باوجود ایک قاری کو اس علمی خزانے میں ایسی غلطیاں، اخطا اور فروگذاشتیں نظر آسکتی ہیں جو بشری، ترتیبی وغیرہ قسم کی کمزوریوں کا نتیجہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری دامت برکاتہم العالیہ کو یہ کہنا پڑا: ''حتی کہ فتاویٰ رضویہ اور ترجمۂ قرآن کنزالایمان پر بھی خاطر خواہ توجہ نہیں دی جارہی ہے، فتاویٰ رضویہ بے شمار اغلاط سے پُر چھپ رہی ہے۔'' (سہ ماہی افکار رضا ممبئی اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء، ص80)

اس زیرِ نظر مقالے میں فتاویٰ رضویہ کی صرف جلد ۳۰ کی مدد سے ایسی چند مثالیں پیش کی گئی ہیں جو اس سے استفادہ کرنے والوں کو متنبہ کرتی ہیں کہ فتاویٰ میں منقول قرآنی آیات ہوں یا حواشی میں دیئے گئے ان کے سورۃ یا آیت نمبر؛ اس میں نقل کی گئی عباراتِ احادیث ہوں یا ان کی تخریج و حواشی میں دیئے گئے حوالہ جات یا عربی و فارسی عبارات کے اردو تراجم ہر جگہ غلطیاں سامنے آئی ہیں۔ اس لیے فتاویٰ سے استفادہ کرتے وقت اس میں مذکور حوالہ جاتی عبارتوں کو جوں کا توں کسی دوسری جگہ نقل کر کے اس کی صحت سے مطمئن نہیں ہوجانا چاہیے۔ کسی مقالے، تحقیقی مضمون، ایم اے، ایم فل یا پی ایچ ڈی کے مقالہ نگار (Thesis Writer) کو اگر فتاویٰ سے عبارات نقل کرنے اور حوالہ دینے کی ضرورت محسوس ہو تو اسے بڑی احتیاط کرنی پڑے گی۔ اسی طرح اگر کوئی مفتی صاحب فتویٰ دیتے وقت فتاویٰ رضویہ سے نقلِ حوالہ کے محتاج ہیں تو انھیں بھی اسی حزم و احتیاط کو پیش نظر رکھنا پڑے گا۔

قرآنی آیات کی عبارات میں اغلاط: سب سے پہلے فتاویٰ میں منقول قرآنی عبارتوں میں اخطا سے متعلق سات مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	درست
۱۴۵	۱۶	لا تنیا ذکری	لا تنیا فی ذکری
۱۶۴	۸	ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم	ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ واسع علیم
۱۷۸	۲	فلا تخزنی یوم یبعثون	ولا تخزنی یوم یبعثون
۲۷۵	۳-۴	لا یستوی اصحب النار و اصحب الجنۃ ھم الفائزون	لا یستوی اصحب النار و اصحب الجنۃ اصحب الجنۃ ھم الفائزون
۳۵۱	۱۰	یصدون عن سبیل اللہ یبغونھا عوجا	یصدون عن سبیل اللہ و یبغونھا عوجا
۴۰۵	۶	وما نقموا الا اغنھم اللہ ورسولہ من فضلہ	وما نقموا الا أن اغنھم اللہ ورسولہ من فضلہ
۴۱۷	۱۸	الا ان حزب اللہ ھم الغلبون	الا ان حزب اللہ ھم المفلحون

قرآنی آیات کی عبارات میں اغلاط ملاحظہ فرمانے کے بعد اب آیئے اس سلسلے میں بعض حواشی میں درآنے والی کمزوریوں کی اٹھارہ مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

قرآنی آیات کے حوالوں کا معاملہ: بعض جگہ پر محشی نے نامناسب اور بعض جگہ پر غلط حوالے دیئے ہیں۔ مثلاً صفحہ ۸۰ پر ایک قرآنی عبارت یوں ہے: "فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم، وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ"۔ محشی نے اس کے لیے دو حوالے دیئے ہیں۔ قتلھم پر ۱ لکھ کر حاشیے میں لکھا: "۱ القرآن الکریم ۸/۱۷" اور اسی طرح رمیٰ پر ۲ لکھا اور حاشیہ میں "۲ القرآن الکریم ۸/۱۷"۔

لیکن آپ اس آیت کو قرآن مجید میں دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ یہ سورۃ الأنفال کی آیت ۱۷ کا تقریباً نصف اوّل ہے۔ اس کے درمیان سے کوئی کلمات چھوڑے بھی نہیں گئے۔ اس لیے اس پر دو کی بجائے ایک ہی حوالہ حاشیہ میں کافی تھا۔ دو حوالوں کا کوئی جواز نہیں۔

حواشی میں اصلاح کی ضرورتیں: نامناسب حوالوں کی اس ایک مثال کے بعد آیئے غلط

حوالوں کو ملاحظہ فرمایئے۔ اگر آپ اسے ملاحظہ فرمائیں گے تو معلوم ہوگا کہ بعض اوقات غلطی سورۃ کا نمبر بتانے میں ہے اور بعض اوقات غلطی آیت کا نمبر بتانے میں ہے۔

صفحہ نمبر	سورۃ	حاشیہ نمبر	حاشیے میں حوالہ	درست حوالہ
۹۲	سورۃ الرحمٰن	۱	القرآن الحکیم ۵۵/ ۶۱ تا ۶۵	القرآن الحکیم ۵۵/ ۶۲ تا ۶۵
۱۳۴	آل عمران	۱	القرآن الکریم ۳/ ۸۱	القرآن الکریم ۳/ ۸۱ تا ۸۲
۱۵۳	الصافات	۴	۳۷/ ۱۰۵	۳۷/ ۱۰۴ تا ۱۰۵
۱۵۴	مریم	۲	القرآن الکریم ۹/ ۱۲	القرآن الکریم ۱۹/ ۱۲
۱۷۸	الصافات	۵	۳/ ۹۹	۳۷/ ۹۹
۱۸۲	النمل	۶	۹۴/ ۱	۲۷/ ۸
۱۸۴	المائدۃ	۳	۵/ ۲۷	۵/ ۶۷
۲۵۳	النجم	۲	القرآن الکریم ۵۳/ ۴۳	القرآن الکریم ۵۳/ ۴۲
۲۶۹	التوبۃ	۲	القرآن الکریم ۲/ ۲۲۱	القرآن الکریم ۹/ ۲۸
۲۸۱	البینۃ	۲	القرآن الکریم ۹۸/ ۶	القرآن الکریم ۹۸/ ۶ تا ۷
۲۸۸	الاحزاب	۱	القرآن الکریم ۲۳/ ۵۳	القرآن الکریم ۳۳/ ۵۳
۳۱۲	المجادلۃ	۱	القرآن الکریم ۵۹/ ۲۲	القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲
۳۱۸	النساء	۱	القرآن الکریم ۴/ ۱۳	القرآن الکریم ۴/ ۱۱۳
۴۳۰	الانعام	۲	القرآن الکریم ۶/ ۹۱ و ۳۹/ ۶۷۰	القرآن الکریم ۶/ ۹۱ و ۳۹/ ۶۷
۵۱۱	النازعات	۲	القرآن الکریم ۸۰/ ۵	القرآن الکریم ۷۹/ ۵
۵۷۵	الکہف	۱	القرآن الکریم ۱۸/ ۲۳	القرآن الکریم ۱۸/ ۲۳ تا ۲۴
۷۰۶	الاحزاب	۲	القرآن الکریم ۳۳/ ۴۵	القرآن الکریم ۳۳/ ۴۵ تا ۴۶

قرآنی عبارات اور آیات سے متعلقہ فروگذاشتیں ملاحظہ فرمانے کے اب آیئے حدیث سے متعلق اغلاط کی سات مثالوں پر غور کریں۔

فتاویٰ میں منقولہ عباراتِ احادیث میں اخطا کی مثالیں:

۱۔ فتاویٰ رضویہ، ج ۳۰، صفحہ نمبر ۲۷۔۳۷ پر حدیث مذکور ہے: وقد قالت امّ المومنین الصدیقة رضی اللہ تعالیٰ عنها لو رأی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المساجد کما منعت نساء بنی اسرائیل۔

اس حدیث کے لیے صفحہ نمبر ۳۷ کے حاشیہ میں حوالہ لکھا ہے: "ا؎ صحیح البخاری کتاب الاذان باب خروج النساء الی المساجد الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۰"۔ اس حوالہ کی مدد سے صحیح بخاری میں دیکھا تو اس حدیث کا ابتدائی حصہ یوں ملا: عن عائشة قالت لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ۔ اس حدیث کی سند کی پہلی راوی ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے متعلق یہاں "وقد قالت امّ المومنین الصدیقة رضی اللہ تعالیٰ عنها " اور "عن عائشة قالت " کے درمیان اختلاف عبارت کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے لیکن متن حدیث کے پہلے لفظ "لو رأی " اور "لو ادرک " کے درمیان فرق کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

۲۔ صفحہ نمبر ۱۶۸ پر ایک حدیث کے الفاظ مذکور ہیں: تبالک سائر الیوم لهذا جمعتنا۔ ان کلماتِ حدیث کے لیے صفحہ نمبر ۱۶۸ کے حاشیہ میں حوالہ لکھا ہے: "۴؎ صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ تبت یدا ابی لهب ۱۱۱ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۴۳"۔

اس حوالہ کی مدد سے مذکورہ صفحہ پر کتاب کو کھولا تو دو واضح مسائل پیش آ گئے۔ پہلا یہ ہے کہ اس صفحہ پر سورۃ تبت یدا ابی لهب کے تحت جتنی بھی احادیث صحیح بخاری میں مندرج ہیں کسی میں بھی یہ چھ الفاظِ حدیث موجود نہیں ہیں۔ خصوصاً 'سائر الیوم' کے الفاظ محولہ جگہ پر نہیں ہیں۔ تلاش کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ الفاظِ حدیث "صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ الشعراء، باب: قوله وانذر عشیرتک الاقربین واخفض جناحک الن جانبک، قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۰۲" پر مذکور ہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ فتاویٰ میں مذکور الفاظ "تبالک سائر الیوم لهذا جمعتنا " میں لهذا سے پہلے ہمزہ استفہامیہ مفقود ہے حالانکہ یہ اصل میں بھی موجود ہے اور ان الفاظِ حدیث کا فتاویٰ میں جو اردو ترجمہ دیا گیا ہے وہاں بھی لفظ 'کیا' موجود ہے۔ یہاں یہ عرض کر دینا مناسب رہے گا کہ اسی حدیث کے لیے حاشیہ میں صحیح مسلم کا جو حوالہ دیا گیا اس کی مدد سے اصل کتاب میں دیکھیں تو وہاں بھی 'سائر الیوم' کے الفاظ نہیں ملتے ہیں۔

۳۔ صفحہ نمبر ۱۷۰ پر ایک حدیث کو بحوالہ صحیح بخاری و جامع ترمذی ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے: سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم عن المقام المحمود فقال هو الشفاعة۔ ان کلمات کے

لیے ایک حوالہ حاشیہ میں یہ دیا گیا ہے: ''صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ ۱۷ باب قولہ عسٰی ان یبعثک الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۶۸۶/۲'' ۔ اور دوسرا جامع الترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ بنی اسرائیل کا لکھا گیا ہے۔ پوری بخاری کو بار بار تلاش کر کے دیکھا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ الشفاعۃ اور المقام المحمود کے الفاظ تو ملے لیکن مندرجہ بالا کلمات اپنی اس ترتیب و ترکیب کے ساتھ نہیں ملے۔ اس لیے یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ یہاں صحیح بخاری کا حوالہ درست نہیں دیا گیا ہے۔ اس کے بعد انہیں جامع ترمذی میں تلاش کیا تو وہاں بھی مذکورہ کلمات کے ساتھ ہم آہنگی نہیں ملی۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ایک حدیث جو کسی حد تک ان کلمات سے قریب ہے یوں ہے: ''قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا وسئل عنھا قال ھی الشفاعۃ...'' ۔ ''فقال ھو الشفاعۃ'' اور ''قال ھی الشفاعۃ'' کا فرق بالخصوص قابل غور ہے۔

۴۔ صفحہ ۱۷۱ پر ایک حدیث کے یہ الفاظ لکھے گئے ہیں: ''یا محمد ارفع رأسک وقل تُسمع وسل تعطہ واشفع تشفع'' ۔ حاشیہ میں ان الفاظ کے لیے ''صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۰۹/۱'' کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اصل کتاب کی طرف رجوع کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ الفاظ حضرت انس بن مالک سے مروی اس حدیث میں پائے جاتے ہیں جو صفحہ ۱۰۸ سے شروع ہوتی ہے اور صفحہ ۱۰۹ پر ختم ہوتی ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ وہاں یہ الفاظ یوں مذکور ہیں: ''یا محمد ارفع رأسک قل تُسمع سل تعطہ اشفع تشفع'' یعنی تین بار وارد ہونے والی 'واؤ' اصل کتاب میں نہیں ہے۔

۵۔ فتاویٰ رضویہ، ج ۳۰، صفحہ نمبر ۱۹۸ پر ایک طویل حدیث کے یہ بعض جملے نقل کیے گئے ہیں: ''انا سید الناس یوم القیامۃ وھل تدرون مما ذٰلک یجمع اللہ الاولین والآخرین فی صعید واحد'' ۔ اس جگہ دو اغلاط ہیں۔ ایک یہ کہ اصل کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے حاشیہ میں صفحہ نمبر ۲۸۴/۲ و ۲۸۵ لکھا ہے حالانکہ اسے ۶۸۴/۲ و ۶۸۵ لکھنا چاہیے تھا۔ دوسری غلطی یہ محسوس ہوتی ہے کہ یہاں منقول کلماتِ حدیث میں لفظ یجمع کے بعد لفظ اللہ ہے جو اصل کتاب میں نہیں ہے ہاں اصل کتاب کے حاشیہ پر باریک خط میں یجمع اللہ لکھا ہے۔ معلوم نہیں فتاویٰ میں نقلِ کلمات کے وقت حاشیہ کی عبارت کو کیوں ترجیح دی گئی ہے؟

اسی حدیث کے لیے صحیح مسلم اور سنن الترمذی کے بھی حوالے دیے گئے ہیں۔ حوالوں کی نشاندہی تو درست ہے لیکن وہاں کلماتِ حدیث کچھ اور ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

فتاویٰ رضویہ	انا سید الناس یوم القیامۃ وھل تدرون مما ذٰلک یجمع اللہ الاولین والآخرین فی صعید واحد
صحیح مسلم	انا سید الناس یوم القیٰمۃ وھل تدرون بم ذاک یجمع اللہ تعالی یوم القیٰمۃ الاولین والآخرین فی صعید واحد

سنن الترمذی	انا سید الناس یوم القیٰمۃ هل تدرون لم ذاک یجمع الله الناس الاولین والآخرین فی صعید واحد

خلاصہ کلام یہ کہ نہ صرف ان تینوں کتب حدیث کے الفاظ میں سو فیصد یکسانیت نہیں ہے بلکہ فتاویٰ میں منقول کلمات بھی ان تینوں میں سے کسی کے ساتھ بالکل یکساں نہیں ہیں۔ حاشیہ نگار نے اسی حدیث کے لیے مسند احمد بن حنبل کا بھی حوالہ دیا ہے لیکن اس کے الفاظ بھی میری تلاش کے مطابق فتاویٰ میں منقول کلمات سے مکمل ہم آہنگ نہیں ہیں۔

۶۔ فتاویٰ رضویہ، ج ۳۰، صفحہ نمبر ۱۹۹ تا ۲۰۰ پر ارشاد دوم کے تحت صحیح مسلم اور ابو داؤد کے حوالے سے ایک حدیث منقول ہے۔ حاشیہ میں اس حدیث کے لیے صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد کے جو حوالے دیے گئے ہیں وہاں دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ فتاویٰ کی عبارت کسی سے مکمل ہم آہنگ نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

فتاویٰ رضویہ	انا سیدُ وُلد ادم یوم القیٰمۃ واول ینشق عنه القبر واول شافع واول مشفع۔
صحیح مسلم	انا سیدُ وُلد ادم یوم القیٰمۃ واول من ینشق عنه القبر واول شافع واول مشفع
سنن ابی داؤد	انا سیدُ وُلد ادم واول من ینشق عنه الأرض واول شافع واول مشفع۔

میں نے یہ الفاظ صحیح مسلم طبع قدیمی کتب خانہ کراچی اور سنن ابی داؤد طبع مکتبہ امدادیہ ملتان سے نقل کیے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ فتاویٰ کی عبارت ان میں سے کسی ایک کے ساتھ مکمل طور پر یکساں ہونی چاہیے۔

۷۔ فتاویٰ رضویہ، ج ۳۰، صفحہ نمبر ۲۰۴ پر ایک حدیث کے یہ کلمات لکھے ہیں: ”الا وانا حبیب الله ولا فخر، وانا حامل لواء الحمد یوم القیٰمۃ تحتہٗ ادم فمن دونه ولا فخر ...“۔ فتاویٰ میں مذکور اس حدیث کے الفاظ صرف یہ نہیں بلکہ وہاں اور کلمات بھی ہیں لیکن چونکہ ان سے متعلق کوئی بات نہیں ہے اس لیے سب کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس حدیث کا حوالہ سنن الترمذی کا دیا گیا ہے۔ حوالہ درست ہے مگر کلمات میں فرق ہے۔ وہاں بعض کلمات نہیں ہیں۔ مکتبہ رحمانیہ لاہور کی طرف سے طبع شدہ سنن الترمذی صفحہ ۶۸۰ پر موجود حدیث سے الفاظ یہ ہیں: ”الا وانا حبیب الله ولا فخر وانا حامل لواء الحمد یوم القیٰمۃ ولا فخر...“۔ یعنی ”تحتہٗ ادم فمن دونه“ کے الفاظ سنن الترمذی میں نہیں ہیں۔

اس کے علاوہ فتاویٰ میں محشی نے اس حدیث کا دوسرا حوالہ سنن الدارمی باب ما اعطی النبی ﷺ من الفضل بھی دیا ہے۔ وقت تحریر سنن الدارمی کا طبع شدہ نسخہ پاس نہ ہونے کی وجہ سے مَیں نے اسے الکتب الستۃ کی سی ڈی میں دیکھا تو وہاں کچھ اور صورتِ حال تھی جسے درج ذیل طریقے سے سمجھا جاسکتا ہے:

فتاویٰ رضویہ میں منقول عبارت	سنن الدارمی کی عبارت
الا وانا حبیب الله ولا فخر وانا حامل لواء الحمد یوم القیٰمة تحتهٗ ادم فمن دونه ولا فخر، وانا اوّل شافع و اوّل مشفّع یوم القیٰمة ولا فخر، وانا اول من یحرک حلق الجنة فیفتح الله لی فیدخلنیها ومعی فقرآء المؤمنین ولا فخر، وانا اکرم الاولین والآخرین علی الله ولا فخر۔	الا وأنا حبیبُ اللهِ ولا فخرَ وأنا حامِلُ لواءِ الحمدِ یومَ القیٰمةِ تحتهٗ ادم فمن دونهٗ ولا فخرَ وأنا أوّلُ شافعٍ وأوّلُ مُشفَّعٍ یوم القیٰمةِ ولا فخرَ وأنا أولُ مَن یُحرّک بِحَلَقِ الجنة ولافخرَ فیفتحُ اللهُ فیُدخِلنِیها ومعی فقرآءُ المُؤمِنینَ ولافخرَ و أنا أکرم الاوّلِینَ وَالآخِرینَ علی الله ولا فخر.

اس حدیث میں خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیے اور دیکھیے کہ فتاویٰ رضویہ میں منقول عبارت کے وہ الفاظ جو سنن الترمذی میں نہیں پائے جاتے وہ سنن الدارمی میں موجود ہیں لیکن یہاں بھی بعض کلمات باہم مختلف ہیں اور اس کے ساتھ کمی واضافہ بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ فتاویٰ کی عبارت نہ تو مکمل طور پر سنن الترمذی سے اور نہ سنن الدارمی سے ملتی ہے۔

ایک گذارش: فتاویٰ رضویہ کے حواشی سے متعلق ایک خاص بات یہ ہے کہ بہت سی عبارتوں پر حوالہ کی طرف اشارہ کرنے والے نمبر تو ڈالے گئے ہیں لیکن حاشیہ میں ان نمبروں کے آگے جگہ خالی ہے۔ شاید حاشیہ کا اہتمام کرنے والے علما کو فوری طور پر کوئی حوالہ دست یاب نہیں ہوا ہوگا اور مجبوراً کام کو ادھورا چھوڑنا پڑا۔ میری رائے ہے اس سلسلے میں فتاویٰ سے استفادہ کرنے والے دوسرے علما کو اگر ان خالی حواشی سے متعلق کوئی حوالہ ملتا ہے تو تخریج کا کام کرنے والی ٹیم کی مدد کرنی چاہیے۔

میں اپنے آپ سے اس سلسلے میں آغاز کرتے ہوئے ایک عبارت کا حوالہ پیش کرتا ہوں۔ صفحہ ۸۹ پر ایک عربی عبارت ''مرحبا بعبید عبدی'' ہے۔ اس پر نمبر ا تو ہے لیکن اس کے لیے حاشیے میں کسی کتاب، کسی ماخذ کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔ جب میں نے اسے المکتبة التشاملة میں کمپیوٹر کے ذریعے تلاش کیا تو پتہ چلا کہ یہ عبارت تفسیر حقی کے باب اا اور ۵۸ کے جزء ۳ میں موجود ہے۔

امید ہے اس مقالے میں پیش کی گئی بحث اور گذارش سے فتاویٰ کی تصحیح کا کام مزید تیز ہو سکے گا اور فتاویٰ کے آیندہ ایڈیشن اغلاط سے پاک ہوں گے۔ ان شاء الله الکریم

(تاریخ تحریر: اتوار ۲۸/ جمادی الاول ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۵/ جون ۲۰۰۶ء)

محفلِ نعت میں حاضری کے آداب

از: علامہ شہزاد مجددی، پاکستان

اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ہے اس بات پر کہ اس نے باوجود شانِ بے نیازی کے اپنے عبد اور رسول ﷺ کی عظمت وحرمت، تعظیم وتکریم اور آداب واحترام کو دین میں قانونی، شرعی اور اساسی حیثیت دیتے ہوئے خود اپنی بارگاہ سے براہ راست اس کی تعلیم اور تلقین کی ابتدا فرمائی تاکہ ہر مطیع وتبع اور اپنا و بیگانہ یہ بات جان لے کہ یہ تقاضا آنے والے کی طرف سے نہیں بلکہ بھیجنے والے کی طرف سے ہے۔

قرآن پاک میں جابجا ایسی آیات اور مضامین موجود ہیں جو اس تمہید کی صداقت کے لیے بطور شہادت پیش کیے جاسکتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یآیھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض، ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون. (الحجرات) (ترجمہ) اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو اور انہیں اس طرح مت پکارو جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: واللہ لا أرفع صوتی الا کاخی السرار۔ (قرطبی، الجامع لاحکام القرآن) اللہ کی قسم میں اپنی آواز کو سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں کروں گا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، ان آیات کے نزول کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں ایسے بات کرتے تھے کہ آواز کی پستی کے باعث حضور علیہ السلام کو پوچھنا پڑتا تھا (کہ کیا کہہ رہے ہو؟)

صحابۂ کرام کے کمالِ ادب اور والہانہ جذبۂ احترام سے خوش ہوکر رب العالمین نے فرمایا: الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقویٰ (حجرات)۔ بے شک وہ لوگ جو اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کے حضور پست رکھتے ہیں وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے پرکھ لیا ہے۔

تفسیری خلاصہ یہ ہے کہ اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مجلس کے آداب کو ملحوظ رکھنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کی سند نازل فرمائی اور انہیں بشارت سنائی کہ ادب والوں کے دلوں کو اللہ ہر قسم کے کھوٹ اور ملاوٹ سے پاک کرکے اخلاص کا مخزن بنا دیتا ہے اور ان کے قلوب کو تقویٰ کے

لیے وسیع اور فراخ کر دیتا ہے اور آخرت میں ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

یعنی رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ والا صفات کے عزت و احترام میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آواز، صوت و صدا اور لہجے کے حوالے سے مطلوب آداب کا لحاظ رکھا جائے۔ سیرت و شمائل رسول اللہ ﷺ کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں یہ بات ملتی ہے کہ آپ ﷺ کو چیخ کر بولنا اور بے جا آواز بلند کرنا پسند نہ تھا اگرچہ وہ ذکر اللہ ہی کی شکل میں کیوں نہ ہو۔

چنانچہ ایک غزوہ سے واپسی پر صحابۂ کرام نے جب بہت بلند آواز سے اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! اربعوا علی انفسکم انکم لا تدعون اصم ولا غائبا۔ تم کسی بہرے اور غائب کا ذکر نہیں کر رہے ہو اپنی جانوں پر نرمی کرو بلکہ تم تو سمیع و قریب کو پکار رہے ہو۔ (الدعوات بخاری: ۵۹۰۵، البخاری: المغازی رقم ۳۸۸۳، صحیح مسلم الذکر والدعا: رقم ۴۸۷۳)

ذہن میں رکھ آیۂ لا ترفعوا اصواتکم
بات کر طبع پیمبر کی نزاکت دیکھ کر

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حرم نبوی شریف میں دو آدمیوں کو بلند آواز سے بولتے سنا، تو ان سے فرمایا، کیا تم جانتے ہو تم کہاں ہو؟ پھر پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ ان دونوں نے جواب دیا، ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں مار مار کر زخمی کر دیتا۔ (تفسیر ابن کثیر، الحجرات آیت ۲)

الغرض اہلِ ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ کے حبیب مکرم ﷺ کے مزاج مبارک اور آپ کی پسند ناپسند پر نظر رکھتے ہوئے اپنے اعمال و احوال کو اتباع و اطاعتِ نبوی کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے کوشاں رہیں۔۔۔ کیونکہ؟

نہ اوہ شکل دیکھے ناں اوہ عقل دیکھے ۔۔۔ نی اوہ ویکھدا فرمانبرداریاں نوں

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:۔

لا یومن احدکم حتی یکون ھواہٗ تبعا لما جئت بہ

تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔

آدابِ محافل کو صحیح طور پر بجا لانے کے لیے ضروری ہے کہ حضرات صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے طرزِ عمل اور بارگاہِ رسالت میں ان کی حاضری کے انداز پر ایک نظر ڈال لی جائے تا کہ حضور علیہ السلام کے تربیت فرمودہ اس گروہ قدسی صفات کے احوال سے رہنمائی مل سکے۔

حضرت قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:-

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: وما کان احد احب الی من رسول الله ﷺ ولا اجل فی عینی منه وما کنت اطیق ان املأ عینی منه۔

میرے لیے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہ تھا اور نہ ہی میری نظروں میں آپ ﷺ سے زیادہ کوئی معزز تھا۔ اور نہ ہی مجھے کبھی آپ ﷺ کی طرف آنکھ بھر کے دیکھنے کا حوصلہ ہوا تھا۔

امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے:-

رسول اللہ ﷺ جب اپنے صحابہ، مہاجرین و انصار کی مجلس میں تشریف فرما ہوتے اور صحابہ میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما موجود ہوتے تو صحابہ کرام میں سے (غلبۂ ادب) کے باعث کوئی حضور علیہ السلام کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتا تھا سوائے ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کے، بس یہ دونوں آپ ﷺ کی طرف تبسم سے دیکھتے اور آپ ﷺ ان دونوں کی طرف تبسم فرماتے ہوئے دیکھتے۔ (ترمذی، ۲/ ۲۰۸ کراچی)

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:- اتیت النبی ﷺ واصحابه حوله کانما علی رؤسهم الطیر۔ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا، تو آپ کے صحابہ آپ کے گرد یوں حاضر تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ (الشفاء ۲/ ۳۱)

قاضی عیاض علیہ الرحمہ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:- کان اصحاب رسول الله ﷺ یقرعون بابه بالا ظافر۔ حضور علیہ السلام کے صحابہ آپ کے دروازہ پر ناخنوں سے دستک دیا کرتے تھے۔

صحابۂ کرام پر عظمت و جلالتِ رسالت کا ایسا غلبہ رہا کرتا تھا کہ بعض اوقات کوئی بات پوچھنا ہوتی تو جھجک اور ہیبت کے باعث طویل مدت گزر جاتی اور بات نہ ہو پاتی تھی۔ قاضی عیاض علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے صحابی حضرات براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ ایک بار میں چاہتا تھا کہ حضور علیہ السلام سے کسی معاملے میں سوال کروں لیکن غلبۂ ہیبت کے باعث میں نے کئی سال اسے مؤخر رکھا۔ (الشفاء: ۲/۳۲)

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد بھی آپ کے احترام و عظمت کی ضرورت و اہمیت کے حوالے سے ایک فصل قائم کی ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں...... "جان لو! حرمتِ نبوی ﷺ اور آپ کی تعظیم و توقیر کا پاس کرنا بعد از وصال بھی ویسے ہی لازم ہے جیسا کہ حین حیات (ظاہری) میں تھا۔ اور یہ ادب آپ کے ذکرِ خیر کے وقت آپ کی حدیث اور سنت کے بیان کے وقت اور آپ کے نام نامی اور سیرت طیبہ کی سماعت کے وقت اور آپ کی آل و عترت کے معاملے میں،

اور آپ کے صحابہ اور اہلِ بیت کی تعظیم کے حوالے سے ملحوظ رکھنا چاہیے"۔

حضرت ابو ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

ہر مومن پر واجب ہے کہ جب آپ کا تذکرہ کرے یا اس کے سامنے آپ کا ذکرِ خیر ہو، تو وہ خشوع وخضوع کا مظاہرہ کرے اور ادب بجالائے، حرکات سے باز رہے اور آپ ﷺ کے ہیبت وجلال کو ایسے ہی اپنے اوپر طاری کرے جیسا کہ اگر وہ بنفسہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو کرتا۔ اور جیسا کہ اللہ نے ہمیں ان کا ادب سکھایا ہے۔

یہ تھا ہمارے سلف صالحین کا طرزِ عمل اور ہمارے ائمہ متقدمین کا شیوۂ ادب، آدابِ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کے حوالے سے تابعین، تبع تابعین اور ائمہ متقدمین نے بھی کمال درجے نمونے بعد میں آنے والوں کے لیے چھوڑے ہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:-

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب نبی کریم ﷺ کا ذکر پاک آتا تو اُن کا رنگ فق ہو جاتا اور گلا رندھ جاتا یہاں تک کہ ہم نشینوں پر یہ گراں گزرنے لگا۔ ایک دن جب آپ سے اس بارے میں کہا گیا تو آپ نے فرمایا، جو میں نے دیکھا ہے اگر تم دیکھتے تو مجھ پر انکار نہ کرتے۔ مَیں نے محمد بن المنکدر کو دیکھا، اور وہ قراء کے سردار تھے کبھی ایسا نہ ہوا کہ ہم نے ان سے کسی حدیث کے بارے میں پوچھا ہو اور وہ رو نہ پڑے ہوں۔ یہاں تک کہ ہمیں ان پر رحم آتا تھا۔ اور یقیناً مَیں نے جعفر بن محمد کو دیکھا اور وہ نہایت خوش طبع اور خندہ رو تھے۔ لیکن جب ان کے سامنے تذکرۂ نبوی ہوتا تو ان کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا اور حضرت عبدالرحمٰن بن القاسم رحمۃ اللہ علیہ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کرتے تو ان کا رنگ یوں دکھائی دیتا تھا جیسے ان کا خون نچوڑ لیا گیا ہے اور ان کی زبان ہیبتِ نبوی کے باعث منہ کے اندر خشک ہوگئی ہے۔ اور مَیں عامر بن عبداللہ بن زبیر کی خدمت میں جایا کرتا تھا۔ جب ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ ہوتا تو وہ ایسے روتے کہ ان کی آنکھوں میں آنسو نہ رہتے تھے اور مَیں نے زہری کو دیکھا اور وہ لوگوں میں سب سے زیادہ خوش رہنے والے اور مجاہد آدمی تھے۔ جب ان کے سامنے ذکرِ حبیب ﷺ چھڑ جاتا تھا تو ایسے ہو جاتے جیسے نہ تم انہیں جانتے ہو نہ وہ تمہیں جانتے ہیں۔ اور مَیں صفوان بن سلیم کے ہاں گیا وہ کثرت سے عبادت و ریاضت کرنے والوں میں سے تھے۔ جب ذکرِ رسول اللہ ﷺ ہوتا تو وہ روتے اور اس تسلسل سے روتے کہ اہلِ مجلس انہیں اس حال میں چھوڑ کر ان کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے تھے۔

حضرت امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ جب حدیث شریف کی قرأت فرماتے تو شاگردوں کو خاموشی کا حکم دیتے تھے اور کہتے۔ لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی۔ اور اس سے استدلال کرتے

تھے کہ آپ ﷺ کی حدیث پڑھتے وقت خاموشی ویسے ہی لازم ہے جیسا کہ (براہ راست) آپ ﷺ کا کلام سنتے وقت واجب ہے۔

محافلِ نعت بھی بالمعنی مجالسِ نبوی ہی ہیں اور اپنی نسبت کے اعتبار سے اسی احترام اور تعظیم کی متقاضی ہیں جیسا کہ اسلاف کی تعلیمات سے واضح اور ائمہ کے احوال سے روشن ہے۔

محافلِ نعت میں حاضری دینے والے کو چاہیے کہ لباس، بدن اور قلب و روح کی طہارت کا خاص خیال رکھے۔ کیونکہ تذکارِ نبوت کی قرأت و سماعت کے اوقات میں ظاہری و باطنی نفاست و لطافت کا اہتمام کرنا از حد ضروری ہے۔ اس سلسلے میں لاپرواہی یا کوتاہی بعض اوقات کسی بڑی دینی و ایمانی محرومی کا باعث بن سکتی ہے۔ البتہ دکھاوا، نمایش اور بناوٹ مقصود نہ ہو بلکہ خالصاً لوجہ اللہ ایسا کرے۔ خوشبو کا استعمال بھی اس موقع پر مستحسن اور مستحب عمل ہے۔ ائمہ کرام سے یہ سارا اہتمام بکثرت منقول بھی ہے اور ان کا معمول بھی رہا ہے۔

حضور علیہ السلام کی ذات گرامی سے کسی چیز، مقام یا مکان کو نسبت ہو جائے تو اس کا اعزاز و اکرام اور تعظیم کس حد تک بڑھ جاتا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے ایک مثال کتاب الشفاء سے ملاحظہ فرمائیے۔

قاضی عیاض علیہ الرحمہ لکھتے ہیں (بحوالہ عبدالرحمٰن اسلمی)

حضرت احمد بن فضلویہ رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے زاہد اور مجاہد تیر انداز تھے وہ فرماتے ہیں: مَیں نے کبھی کمان کو اپنے ہاتھ سے بے وضو نہیں چھوا۔ جب سے مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کمان اپنے دستِ مبارک میں پکڑی ہے۔ (الشفا: ۲/۴۴)

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب مکرم کی شان میں بظاہر ادنیٰ سی کوتاہی بھی برداشت نہیں کرتا۔ اس لیے ہمیں اپنے فہم ناقص کے مطابق اظہارِ عشق کرنے کی بجائے سرکار ختمی مرتبت ﷺ کے جلال و عظمت کو ہیبت زدہ دل کی قوت کے ساتھ ملحوظ رکھنا چاہیے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ اپنی نسبت کا کوئی اظہار آپ کے ادب کے منافی نہیں ہونا چاہیے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا فیضان روح و قلب کو ہوش و حواس سے بیگانہ نہیں کرتا بلکہ انہیں وہ بیداری عطا فرماتا ہے جو کسی اور ذریعے سے ممکن نہیں۔

ہماری اس بات پر اللہ تعالیٰ کی منتخب کردہ اور رسول اللہ ﷺ کی تربیت فرمودہ جماعتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم کا مستقل عمل شاہد و ناطق ہے۔ ہمیں یہ بات کسی حال میں فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ ہمارے جذبات رسول اللہ ﷺ کے حقوق و آداب پر غالب نہیں آنے چاہئیں۔ حاضرین کے لیے ضروری ہے کہ دورانِ مجلس یکسوئی کے ساتھ درود و استغفار میں مشغول رہیں اور ادھر اُدھر کی باتیں کرنے سے مکمل

طور پر پرہیز کریں۔

حاضرین پر اگر مجلس کا ایسا اثر مرتب نہیں ہوتا جو انہیں توبہ پر اکسائے تو انہوں نے اس مبارک مجلس میں شرکت کا سب سے بڑا حق ادا نہیں کیا۔ شیطان کا ایک بڑا حربہ یہ ہے کہ وہ مسلمان کو اس غلط فہمی میں مبتلا رکھتا ہے کہ محبت کی موجودگی میں اطاعت اور اتباع کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ جو شخص رسول اللہ ﷺ کو مطاعِ مطلق نہیں مانتا اور اس ایمان کا اس کے اعمال و اخلاق سے اظہار نہیں ہوتا تو وہ شخص حبّ رسول اللہ ﷺ کے دعوے میں جھوٹا ہے۔

جس طرح رسول اللہ ﷺ کی اطاعت، محبت کے بغیر ناقابل اعتبار ہے اسی طرح محبت اطاعت کے بغیر ناقابلِ قبول ہے۔ اس اصول کی روشنی میں ہمیں اس مجلس میں شرکت کا سب سے بڑا مقصد یہ بنانا چاہیے کہ ہم اس کی برکت سے محبت اور اطاعت دونوں میں ترقی کریں۔ جس حلیے اور وضع قطع میں رسول اللہ ﷺ کے حضور میں حاضر ہونے کی ہمت نہیں کی جاسکتی، اس حلیے اور اس وضع قطع کے ساتھ محفل نعت میں آنا سخت بے برکتی اور جسارت کی بات ہے۔ اس کا خاص خیال رکھنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ پر ثنا بھیجنے کا پورا ماحول آپ ﷺ کی نگاہِ اقدس میں ہوتا ہے۔

نعت خوانوں کو پیسے وغیرہ دینے کی رسم انتہائی قبیح، غیر مؤدبانہ اور یک سوئی کو متاثر کرنے والی چیز ہے جو لوگ یہ سوقیانہ حرکت کرتے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کی مبارک مجلس میں خلل پیدا کرنے کے مجرم ہیں اور اس عمل کو ہر قیمت پر روکنا چاہیے۔

نعت خوانوں کی خدمت کے دوسرے مناسب طریقے بھی ہیں، وہ اختیار کیے جاسکتے ہیں۔ اور دوسری قباحت یہ ہے کہ یہ سارا عمل نمائش بنی کی روایت سے براہ راست مماثلت رکھتا ہے۔ خدا کے لیے اس سے توبہ کریں۔

بہت چھوٹے بچوں کو ساتھ لے جانے سے مجلس کے آداب متاثر ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ جو یکسوئی واجب ہے اس میں بھی خرابی پیدا ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ذکر کے وقت ادھر اُدھر متوجہ ہونا بڑی بے ادبی اور محرومی کی بات ہے۔

اسی طرح نعرے لگانے کی رسم بھی دو اسباب کی بنا پر قابلِ ترک ہے۔ پہلا یہ ہے کہ اس کی وجہ سے مجلس پر چھائی ہوئی تعظیم اور ہیبت کی فضا متاثر ہوتی ہے اور دوسرے یہ روافض اور بازاری لوگوں کا معروف شعار ہے اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلند آواز سے اللہ اکبر کہنے سے بھی صحابہ کو روک دیا تھا۔

بعض لوگ محافلِ نعت میں بعض نعت خوانوں کی وجہ سے جاتے ہیں یہ رویہ اہلِ محبت کو زیب نہیں

دیتا۔ آپ ﷺ کا ذکرِ اقدس جس زبان سے بھی نکلے ہمارے سر آنکھوں پر ہونا چاہیے۔ اسی طرح کچھ لوگ باقاعدہ چند مخصوص نعت خوانوں کو منصوبہ بنا کر اُٹھاتے اور گراتے ہیں ایسی جانب داری کم از کم ان کے لیے خطرناک ہے۔

مختصر یہ کہ محبت اور اتباع کے عزم کے ساتھ ایسی محفلوں میں حاضری دینی چاہیے اور ان محفلوں کو عام محفلوں پر قیاس نہیں کرنا چاہیے...... سامعین میں بعض لوگ وجد اور گریے کی اداکاری کرتے ہیں۔ یہ ریا کی وہ قسم ہے جس کے آگے ہر دکھاوا چھوٹا ہے۔ معاذ اللہ! رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آدمی دوسروں کو متاثر کرنے کی کوشش کرے؟

برائے منتظمین:

(۱) نام وری اور مقابلے کی خواہش نہ ہو (۲) دنیاوی مفاد پیش نظر نہ ہو (۳) دورانِ انتظام خود کو درود و سلام میں مشغول رکھیں (۴) محفل کے انعقاد کا ارادہ کرتے ہی اس کی قبولیت کے لیے دو رکعت نماز پڑھیں۔ اور بعد میں شکرانے کے نوافل ادا کریں (۵) محفل کے انعقاد کا قصد کرتے وقت منت مانیں کہ اس کے بحسن وخوبی انعقاد پر کم از کم ہزار مرتبہ درود شریف پڑھیں گے (۶) انتظامات میں کسی متبع سنت اور متقی عالم کو رہنما بنائیں (۷) محفل میں پڑھی جانے والی نعتوں کی نقول پہلے سے لے کر کسی شعر فہم عالم کو دکھائیں (۸) اور کسی پیشگی منظوری کے بغیر کوئی کلام نہ پڑھنے دیں (۹) پیشہ ور نعت خوانوں کو مدعو نہ کریں (۱۰) اور ایسے نعت خواں جو خود حضور ﷺ کی نافرمانی کا چلتا پھرتا اشتہار ہیں انہیں محفل میں دعوت دینا رسول اللہ ﷺ کو غضبناک کرنے کے مترادف ہے (۱۱) دنیا داروں کو ہرگز مہمانِ خصوصی نہ بنائیں (۱۲) خواتین کو شرکت کی دعوت نہ دیں کیونکہ تمام فقہا کے نزدیک مردوں کا لحن عورتوں کے کان میں پڑنا گناہ ہے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم کسی عورت کو بے پردہ مجلس میں نہ آنے دیں۔

برائے حاضرین، سامعین:

۱۔ سب سے پہلے اپنے دلوں میں یہ یقین پیدا کریں کہ ہم ایک عظیم دینی سعادت حاصل کرنے آئے ہیں۔ کوئی بھی دینی سعادت ادب اور ہیبت کو غالب رکھے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی، اس لیے محفل میں شرکت کی خاطر گھر سے نکلتے ہی خود کو صلوٰۃ و سلام میں مشغول کردیں اور باوضو رہنے کا اہتمام کریں۔ یہ بات ہر حال میں مدِ نظر رکھیں کہ ہم ربِ ذوالجلال کے حبیب اعظم ﷺ کی ثنا میں شریک ہونے آئے ہیں۔

اللہ رب العلمین ہمیں اپنے محبوب کریم ﷺ کے حقوق پہچان کر ان کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(بشکریہ ماہنامہ ''سوئے حجاز'' لاہور)

وسیلۂ قربِ الٰہی

تقریر: غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب: قاضی محمد غوث۔ ایم۔ اے (بہاول پور۔ پاکستان)

نظر ثانی: حافظ بشیر احمد سعیدی، بہاری کالونی بہاولپور

تخریج و تلخیص و ترتیب نو: خلیل احمد رانا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی ونُسلّم علی رسولہ الکریم

أما بعد فأعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا أیھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ [۱]

محترم حضرات! سیدنا حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی مبارک یاد کے سلسلہ میں اس تقریب سعید کا اہتمام کیا گیا ہے، نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ قرآن وحدیث کی روشنی میں گفتگو کروں گا، قبل اس کے کہ میں اس آیت کریمہ کا ترجمہ کروں اور اپنے موضوع پر گفتگو کروں، یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اولیا اللہ کی محبت، اللہ کی محبت سے کوئی جداگانہ چیز نہیں ہے اور اولیا اللہ کے کمالات اور ان کے ارشادات اور ان کی مقدس تعلیمات کتاب وسنت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ کتاب وسنت کی تعلیمات کا جو خلاصہ ہے وہ حضراتِ اولیا اللہ کی تعلیمات میں پایا جاتا ہے اور کتاب وسنت نے جن امور کو انسانیت کا کمال قرار دیا ہے وہی امور بطور کمالات حضراتِ اولیا کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ذواتِ قدسیہ میں پائے جاتے ہیں۔ اولیا اللہ کی محبت عین اللہ کی محبت ہے اور یہ صحیح ہے، اولیا اللہ کی تعظیم عین اللہ کی تعظیم ہے، اولیا اللہ کی تعلیمات عین اللہ کی تعلیمات ہیں اور مجھے کہنے دیجیے کہ اولیا اللہ کے کمالات جلوہ ہیں کمالاتِ الوہیت کا، اور تجلی ہیں جمالِ الوہیت کی۔ خدا کے کمالِ الوہیت اور جمالِ الوہیت سے الگ مستقل حیثیت میں ہم کوئی چیز اولیا کے لیے ثابت نہیں کرتے اور ہم تو اولیا کرام کو کسی اور نسبت کی بنا پر تسلیم نہیں کرتے بلکہ اولیا اللہ کو ہمارا ماننا، ان کو تسلیم کرنا، ان سے محبت وعقیدت رکھنا صرف اور صرف اس لیے ہے کہ وہ اولیا اللہ ہیں، اور قاعدہ ہے کہ محبوب کا محبوب، محبوب ہوتا ہے۔

اللہ ہمارا محبوب ہے اور اولیا، اللہ کے محبوب ہیں، جب یہ اللہ کے محبوب ہیں تو ہمارے بھی محبوب ہیں۔ دوست کے دشمن کو ہم اپنا دوست نہیں بنا سکتے اور دوست کے محبوب کو ہم اپنا دشمن قرار نہیں دے

سکتے۔ جس شخص کو ہمارے دوست سے عناد ہے وہ کبھی ہمارا محبوب نہیں بن سکتا اور جس شخص کو ہمارے دوست سے محبت اور خلوص ہے وہ کبھی ہمارا دشمن نہیں بن سکتا۔

ہم اولیا اللہ کو محض اس لیے مانتے ہیں کہ وہ اللہ والے ہیں اور ان کا ماننا دراصل اللہ کا ماننا ہے، ان کو اللہ سے کوئی نسبت نہ ہوتی تو ہمارا ان سے کیا تعلق تھا؟ ہمارا تعلق تو محض اس لیے ہے کہ وہ اللہ والے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہم ان بزرگوں کی یاد مناتے ہیں۔

حضور غوث پاک نہ صرف اللہ کے ولی ہیں بلکہ اولیا کے سردار ہیں، اگر ہم ان کی یاد میں کوئی جلسہ منعقد کرتے ہیں، عرس مناتے ہیں، فاتحہ و نیاز کا اہتمام کرتے ہیں، تبرک تقسیم کرتے ہیں، فقط اس لیے کہ یہ اللہ والے ہیں اور اللہ سے ان کی نسبت ہے۔ لہٰذا اولیا سے نسبت رکھنا، اللہ سے نسبت رکھنے کی دلیل ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ والے، اولیا کا دن مناسکتے ہیں اور جو اللہ والا نہ ہو اس کا اولیا سے کیا تعلق؟ اولیا سے تعلق، اللہ والا ہونے کی دلیل ہے اور اللہ سے تعلق کی دلیل ہے، اولیا سے محبت اللہ سے محبت کی دلیل ہے، اولیا کی تعظیم خدا کی عظمت کے اعتقاد کی دلیل ہے، اولیا سے قرب، خدا کے قرب کے حصول کی دلیل ہے، جن لوگوں نے اولیا سے علیحدگی اختیار کی انہوں نے خدا سے علیحدگی اختیار کرلی، خدا کا قرب اولیا کا قرب ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ" [۲]، ترجمہ: ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔

اب ولی کی بیچ میں کیا ضرورت ہوگئی؟ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے ہم شہ رگ سے بھی قریب ہیں، بات ختم ہوگئی، اب ہمیں کیا ضرورت ہے کہ حضور غوث پاک کے ذریعہ، حضرت خواجہ غریب نواز کے ذریعہ، حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کریں، جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ" ہمارے پیش نظر ہے تو پھر اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے کسی ولی کی ضرورت نہیں، ہمارا خدا خود ہم سے قریب ہے، وہ ہماری بات کو سنتا ہے، ہمیں دیکھتا ہے، ہماری اور ہمارے دل کی بات کو جانتا ہے، وہ سمیع و بصیر ہے اور ہمارے حالات کا علیم و خبیر ہے اور ہم سے قریب ہے تو ان اولیا کرام کی درمیان میں کیا ضرورت پڑگئی، یہ ہمیں خدا کے قریب کیسے کریں گے؟

بلکہ یہاں تک بات سامنے آگئی کہ یہ مشرکوں کا عقیدہ تھا، وہ کہا کرتے تھے کہ "مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی" [۳] ترجمہ: (کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر صرف اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کردیں۔

تو معلوم ہوا کہ کسی کو خدا سے قریب کرنے کا عقیدہ رکھنا یہ تو مشرکوں کا عقیدہ ہے، مسلمانوں کا عقیدہ کہاں ہے؟ ہمارا خدا تو ہم سے قریب ہے، لہٰذا ہمیں کیا ضرورت ہے کہ کسی کو خدا کے قرب کا وسیلہ

اور ذریعہ بنائیں۔

یہاں ایک بات عرض کردوں! سنیے، پہلی بات تو یہ ہے، یہ کہنا کہ مخلوق کسی بندے کو اللہ کے قریب نہیں کرسکتی، یہ بنیادی طور پر غلط ہے، اگر یہ بات صحیح ہوتی تو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں کیوں فرماتا!

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۝ وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝ [۴]

ترجمہ: اے نبی بے شک ہم نے آپ کو مشاہدہ کرنے والا اور خوش خبری سنانے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا، اور اللہ کی طرف اُس کے حکم سے بلانے والا اور روشن کرنے والا آفتاب۔

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ ''وَدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ'' حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اللہ کے بندوں کو اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلائیں گے، تو اللہ کے بندوں کو اللہ کے قریب کریں گے یا نہیں؟

تو یہاں ''وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ'' آپ کو یاد نہیں آیا، خدا خود سمیع وبصیر ہے وہ خود ہی اپنے بندوں کو اپنی طرف متوجہ کرلے۔ ''وَدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ'' کی کیا ضرورت ہے؟

اگر نبی کا آنا کسی حکمت پر مبنی ہوسکتا ہے تو اولیا کا وجود بھی حکمت پر مبنی ہوسکتا ہے، معلوم ہوا کہ انبیا کرام کا تشریف لانا بھی خدا کے قرب کے منافی نہیں اور اولیا اللہ کا ہمارے لیے وسیلۂ قربِ خداوندی ہونا بھی اس آیت کے منافی نہیں، اب میں آپ کو مشرکین کے اس قول ''مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى'' کی حقیقت بتاتا ہوں۔

وہ کہتے ہیں کہ ہم ان (باطل) معبودوں کی، لات کی، منات کی، ھبل کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کردیں، بالکل ٹھیک ہے، مشرکین یہی کہتے تھے۔

ارے کم از کم ''مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا'' کا ترجمہ تو سمجھو (ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لیے کرتے ہیں)، کس لیے عبادت کریں، عبادت تو کرتے ہیں اور عبادت بھی بتوں کی کرتے ہیں، کس لیے کرتے ہیں یہ علیحدہ چیز ہے کہ ان کی غرض کیا ہے، مقصد کیا ہے، مگر یہ تو ثابت ہے کہ وہ بتوں کی عبادت کے قائل ہیں۔

الحمدللہ ہمارا ایمان ہے، ہمارا معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں ہے، ہم نہ حضور غوث پاک علیہ الرحمۃ کی عبادت کرتے ہیں، نہ ہم خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ کی عبادت کرتے ہیں اور نہ ہم حضور داتا گنج بخش سیدی علی ہجویری علیہ الرحمۃ کی عبادت کرتے ہیں۔ ہم کسی ولی کی عبادت نہیں کرتے، ہم کسی نبی کی عبادت نہیں کرتے، اگر خدا کے سوا ہم کسی عبادت کرتے تو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتے، مگر ہم ان کی بھی عبادت نہیں کرتے۔

مشرکین کہتے ہیں ''مَا نَعْبُدُهُمْ'' ہم ان کی عبادت کرتے ہیں، غیر اللہ کی عبادت کرنا یہی تو شرک

ہے اور ہم کسی کی بھی عبادت نہیں کرتے اور کسی لیے بھی نہیں کرتے۔

یہاں دو باتیں ہیں، ایک تو مشرکین غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے، دوسرے اس لیے کہ وہ انہیں خدا سے قریب کردیں، میں پوچھتا ہوں کیا بتوں میں خدا سے قریب کردینے کی صلاحیت تھی؟ ارے نہ تو ان میں خدا سے قریب کردینے کی صلاحیت تھی اور نہ وہ معبود ہوسکتے تھے، کیونکہ معبود تو صرف ایک ہی ہے۔

ہم اولیا اللہ کی عبادت نہیں کرتے، ہم انہیں اللہ کی بارگاہ میں قرب کا وسیلہ مانتے ہیں، اب رہی یہ بات کہ ایک مخلوق کیسے وسیلہ ہو پائے گی اور وسیلے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے، سمیع ہے، بصیر ہے، خبیر ہے، قدیر ہے، قریب ہے، اس کی بارگاہ میں وسیلے کی کیا ضرورت ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ذات تو اس سے بہت بلند ہے کہ اس کے اور اپنے درمیان ہم کسی چیز کو وسیلہ بنائیں، کیونکہ "نَحْنُ أَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْد" اس کی شان ہے۔

یہاں میں عرض کرتا ہوں، قرآن نے صاف کہا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

یہ میری بات نہیں، قرآن ہے، حدیث بھی نہیں ہے جس کو لوگ ضعیف کہہ دیں یا غلط کہہ دیں، یہ تو قرآن کی آیت ہے، اللہ فرماتا ہے وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ، اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو، تو اب آپ بتائیں کہ اللہ نے ہمیں وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا یا نہیں؟ تو جس چیز کا حکم خود خدا دے تو اس کو شرک کہنے والا پھر کون ہوگا؟

رہا یہ امر کہ وسیلے سے مراد یہاں اولیا اللہ نہیں ہیں، بلکہ نماز ہے، حج ہے، روزہ ہے، زکوٰۃ ہے، اعمالِ صالحہ ہیں، تم لوگوں نے اولیا کو وسیلہ بنا لیا، یہ کیا بات ہوئی؟

اگر یہ بات کہی جائے تو یہ بہت غلط بات ہے، کیونکہ بات تو یہ تھی کہ مخلوق ہمارے اور خالق کے درمیان وسیلہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے یا نہیں؟ جب اللہ تعالیٰ نَحْنُ أَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ہونے کی شان رکھتا ہے تو پھر کوئی مخلوق چاہے اولیا ہوں یا اعمالِ صالحہ ہوں، ہمارے اور خدا کے درمیان وسیلہ بنے، یہ بات بنتی نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب کوئی بھی مخلوق وسیلہ نہیں ہے تو یہ بتاؤ کہ اعمال مخلوق ہیں یا خالق ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے! وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ [۵] ترجمہ: حالانکہ تمہیں اور تمہارے سب کاموں کو اللہ ہی نے پیدا فرمایا۔

جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو بھی پیدا کیا، تو ایمان سے کہنا کہ اعمال خدا

کی مخلوق ہیں یا نہیں؟ مَیں بڑی حیرت میں مبتلا ہوں کہ عمل جو مخلوق ہیں وہ وسیلہ ہو سکتے ہیں اور وہ شخص جو اعمالِ صالحہ کا فاعل ہے یعنی جو اعمالِ صالحہ کرنے والا ہے وہ وسیلہ نہیں ہو سکتا، یہ عجیب سی بات ہے۔

اعمالِ صالحہ کو قرآن کی روشنی میں ہم بے شک وسیلہ مانتے ہیں، مگر یاد رکھو عمل تو کوئی چیز نہیں ہے، وہ تو ایک عرض ہے، ایک امر معنوی ہے، وہ خود تو پایا نہیں جاتا، میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ نماز کہیں پائی جاتی ہے؟ ارے بھائی نماز کہیں پائی جائے گی تو وہ نمازی میں پائی جائے گی، نمازی نماز پڑھے گا تو نماز کا وجود ہوگا، نمازی نہ ہو تو قیام کہاں ہوگا، رکوع کہاں ہوگا، سجود کہاں ہوگا، نمازی کا جسم کھڑا ہے تو قیام ہے، نمازی کا جسم جھکا ہے تو رکوع ہے، نمازی نے سر زمین پر رکھا ہے تو سجدہ ہے، نمازی نہ ہوگا تو نماز کہاں ہوگی؟

ہم اولیا اللہ کو وسیلہ اس لیے کہتے ہیں کہ اعمالِ صالحہ کا وجود عامل کے بغیر نہیں ہو سکتا، ورنہ نمازی سے الگ ہو کر نماز کو ڈھونڈو، روزہ دار تو دنیا میں کوئی نہ ہو اور روزہ آپ کو مل جائے، یہ کیسے ممکن ہے؟ سچ بولنے والا کوئی نہ ہو تو سچ آپ کو کہاں ملے گا، قرأتِ قرآن کرنے والا کوئی نہ ہو تو تلاوت آپ کو کہاں ملے گی؟ کوئی بھی نیک عمل آپ کو نہیں مل سکتا جب تک اس نیک عمل کو کوئی کرنے والا نہ ہو، تو عزیزو دوستو اعمالِ صالحہ کا وجود بغیر عمل کرنے والے کے متحقق نہیں ہوتا۔

ہم اولیائے کرام کی ذواتِ قُدسیہ کو جو وسیلہ مانتے ہیں تو وہ اعمالِ صالحہ سے الگ متصور کر کے وسیلہ نہیں مانتے، بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ اعمالِ صالحہ کے لیے عامل ہیں، نمازی ہیں، حاجی ہیں، روزہ دار ہیں، زکوٰۃ دینے والے ہیں، اللہ کا ذکر کرنے والے ہیں، عبادت گزار ہیں، ہم ان کے اعمال کی وجہ سے ہی تو انہیں وسیلہ مانتے ہیں، اور ان کو وسیلہ ماننا دراصل اعمال ہی کو وسیلہ ماننا ہے، خدا کی قسم یہ وسیلے کا حکم مَیں نے نہیں دیا بلکہ خود خدا تعالیٰ نے دیا ہے، اعمالِ صالحہ کو میں اصل اور بنیاد مانتا ہوں، مگر یاد رکھیے کہ اولیا اللہ کو وسیلہ قرار دینا انہی اعمال کی بنیاد پر ہے، اگر اعمال کا تصور ہٹا لیا جائے تو پھر اولیا کا وسیلہ، وسیلہ نہیں۔

ابھی مَیں نے آپ کو بتایا کہ ہم ولی کو ولی مانتے ہی اس لیے ہیں کہ وہ اللہ والا ہے، وہ اللہ والا کب ہے؟ جب وہ روحانیت سے سرشار ہے، جب وہ عبادت گزار ہے، جب وہ اللہ کی محبت والا ہے، جب ہی تو وہ اللہ والا ہے۔

اللہ کی محبت نیک عمل ہے، یہ روحانیت، یہ تقویٰ، یہ ریاضت، یہ طہارت، یہ مجاہدہ، یہ شب بیداری، یہ عبادت گزاری، یہ کیا ہے؟ یہ نیک عمل ہے اور یہ نیک عمل کرنے والے اولیا اللہ ہیں، ان کا وسیلہ ہونا یہ اعمالِ صالحہ کی جہت سے ہے۔ ذرا عقل سے کام لو اور سوچو، اس لیے تو میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ نے ہمیں خود وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بات تو ثابت ہے کہ کوئی نیک عمل اس وقت تک وسیلہ نہیں

ہے جب تک کہ اس کا تعلق کسی نیک اور صالح کی ذات سے نہ ہو۔

مَیں آپ سے پوچھتا ہوں کہ منافق نماز پڑھتے تھے یا نہیں پڑھتے تھے؟ کلمہ پڑھتے تھے یا نہیں؟ تو میرے پیارے عزیزو کیا ان کی نماز ان کے لیے وسیلہ تھی؟ کیا ان کا کلمہ ان کے لیے وسیلہ تھا؟ نہیں تھا، اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ منافق وہ نماز پڑھتے تھے کہ جس نماز کی کوئی نسبت پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ تھی۔ تو پتہ چلا کہ کلمہ اس وقت تک کلمہ نہیں جب تک اس کی نسبت کلمہ لانے والے کی ذات سے نہ ہو اور نماز اس وقت تک نماز ہی نہیں جب تک کہ نماز لانے والے کی ذات سے اس کا تعلق نہ ہو، ورنہ یہ نقالی ہوگی اور نقالی کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

یہی فرق ہے اتباع اور نقالی میں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''فَاتَّبِعُوْنِی'' میرے محبوب کی اتباع کرو، اتباع کے معنی ہیں کہ میرے محبوب کی محبت میں اس قدر مستغرق ہو جاؤ کہ ان کی محبت کے تقاضے کی بنا پر تم ان کی اداؤں کے سانچے میں ڈھل جاؤ۔

نہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جو عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تم بھی کرلو تو تمہاری نجات ہو جائے گی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، قیام فرمایا، رکوع فرمایا، سجدہ فرمایا، یہ سارے عمل منافق بھی کرتے تھے، مگر ان کی نجات نہیں ہوئی، کیوں نہیں ہوئی؟ اس لیے کہ منافقین کا کوئی عمل بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی بنیاد پر نہ تھا، لہٰذا وہ اعمالِ صالحہ کی بنیاد بھی قرار نہ پائے، اس لیے منافقین کی نمازوں کو ہم اتباعِ رسول نہیں کہہ سکتے۔

اتباعِ رسول میں کس کی نماز تھی؟ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، سیدنا علی کرّمَ اللہ وَجْہَہُ الکریم کی، اہل بیت اطہار کی، صحابہ کرام کی، ازواج مطہرات کی، تابعین کی، تبع تابعین کی، سلف صالحین کی، مشائخ کرام کی، اولیا اللہ کی۔

ان حضرات کی جو عبادت تھی، خدا کی قسم وہی عبادت ہے، وہی طاعت ہے، وہی نماز ہے، ان کی سب نیکیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور محبت سے خالی ہو وہ اگر قیام بھی کرے، رکوع کرے، سجدہ کرے، کچھ بھی کرے کوئی فائدہ نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ سَیَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُہٗ وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُہٗ مَسَاجِدُھُمْ عَامِرَۃٌ وَّھِیَ خَرَابٌ مِّنَ الْھُدٰی ... [۶]

ترجمہ: عن قریب لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا، اسلام کا صرف نام رہ جائے گا اور قرآن کے صرف نقوش رہ جائیں گے، ان لوگوں کی مسجدیں کھچا کھچ بھری ہونگی مگر ہدایت سے

خالی ہوں گی۔

۲۔ وفی روایة... تَحْقِرُوْنَ صَلَاتَکُمْ مَعَ صَلَاتِهِمْ وَصِيَامَکُمْ مَعَ صِيَامِهِمْ وَعَمَلَکُمْ مَعَ عَمَلِهِمْ وَيَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ لَايُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ...[۷]

ترجمہ: (اے میرے صحابہ) تم لوگ اپنی نمازوں کو اُن کی نمازوں کے سامنے ہیچ سمجھو گے اور یوں ہی اپنے روزوں کو بھی اُن کے روزوں کے سامنے اور اپنے اعمالِ صالحہ کو بھی اُن کے اعمال کے سامنے بے وقعت سمجھو گے، دین سے وہ ایسے خارج ہو جائیں گے جیسے تیر کمان سے۔

۳۔ وفی روایة "فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ لَا يُضِلُّوْنَكُمْ وَلَا يَفْتِنُوْنَكُمْ" [۸]

ترجمہ: تم اُن سے بچو اور دور رہو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور فتنے میں نہ ڈال دیں۔

وہ لوگ قرآن بھی پڑھیں گے مگر حلق سے نیچے نہیں اُترے گا، اُترے کیسے؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے بغیر تو قرآن حلق سے نہیں اُترتا۔ نمازیں بھی پڑھیں گے، تم اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابلے میں حقیر سمجھو گے۔ روزے بھی رکھیں گے، ان کی مسجدیں آباد ہوں گی مگر ہدایت سے خالی ہوں گی۔ اس لیے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع نہ ہوں گے، صرف نقل کرنے والے ہوں گے۔ نقالی اور چیز ہے، اتباع اور چیز ہے۔ نقالی سے نجات نہیں ہوتی، اتباع سے نجات ہوتی ہے اور اتباع وہ چیز ہے جس میں متبوع کے ساتھ رابطہ ہو، تعلق ہو، لگاؤ ہو، محبت ہو۔ جب کوئی صالح عمل صالح کی ذات سے نسبت کے بغیر عملِ صالح قرار نہیں پاتا تو صالحین کو نظر انداز کر کے اور صرف اعمال کی ظاہری شکل و ہیئت کو وسیلہ قرار دے دینا، میری سمجھ میں تو نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَابْتَغُوْا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ اَب آپ کا یہ تصور کہ بھئی جب اللہ قریب ہے تو پھر اللہ کے قریب ہونے کے لیے وسیلے کی کیا ضرورت ہے؟

میں عرض کرتا ہوں! خدا سب کے قریب ہے کہ نہیں؟ یہ ہمارا ایمان ہے کہ خدا علماً قدرتاً [علم اور قدرت کے لحاظ سے] سب کے قریب ہے اور کائنات کے ذرّے ذرّے کو خدا محیط ہے اور کائنات محاط ہے، ازروئے علم، ازروئے قدرت، ازروئے احاطہ خدا سب کے قریب ہے اور خدا کسی سے دور نہیں، خدا تو ہر ایک کے قریب ہے مگر خدا کے قریب کوئی کوئی ہے۔

شاید آپ دل میں یہ بات سوچیں کہ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ جب خدا سب کے قریب ہے تو پھر سب خدا کے قریب کیوں نہیں ہیں؟ بلکہ کوئی کوئی قریب ہے، یہ عجیب بات ہوئی!

آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں، یہ بتائیے کہ خدا تعالیٰ کافروں کے ساتھ اُن کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے کہ نہیں؟ خدا ابوجہل کے قریب تھا کہ نہیں اور قریب ہے، اسی طرح ابولہب، عتبہ، شیبہ، کعب بن اشرف، رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی وغیرہ، یہ جتنے کفار مشرکین اور منافقین ہیں، کیا اللہ ان کی شہ رگ سے زیادہ قریب نہیں؟ بتائیے کیا یہ سب خدا کے مقربین ہیں؟ کیا ابوجہل کو، عتبہ کو، شیبہ کو، عبداللہ بن اُبی منافق کو خدا کا مقرب مانو گے؟

نہیں بالکل نہیں، بے شک خدا تو ان کے قریب تھا مگر وہ خدا کے قریب نہیں تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خدا تو سب کے قریب ہے مگر ہر ایک خدا کے قریب نہیں ہوسکتا۔

خدا کے قرب کا قیاس اپنے قرب پر کرنا، یہ تو بالکل قیاس مع الفارق ہے، وہ زمان و مکان اور مسافت سے پاک ہے، تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذَالِکَ عُلُوًا کَبِیْرًا، خدا کے قرب کے معنی ہی کچھ اور ہیں، یہ نہیں کہ تم میرے ساتھ مکانی طور پر قریب ہوگئے یا قریب آ کر بیٹھے تو میرے بدن کے قریب ہوگئے، اللہ تعالیٰ اس قرب سے پاک ہے، کیونکہ وہ جسم اور جسمانیت سے پاک ہے، جہت علو اور جہت اسفل تمام جہات سے پاک ہے، تو پھر خدا کے قرب کا کیا مفہوم ہوگا؟

خدا کے قرب کے معنی یہ ہیں کہ جس کو خدا کی جتنی معرفت حاصل ہوگی وہ اتنا خدا کے قریب ہوگا، خدا تو سب کے قریب ہے مگر خدا کے قریب صرف وہی ہے جس کو خدا کی معرفت ہے، آپ کلمہ پڑھتے ہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں)، آپ نے خدا کے معبود ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کیا ہے۔ یہ آپ کی معرفت ہے اور جو لا الٰہ الا اللہ پر یقین نہیں رکھتا اُسے خدا کی معرفت نہیں ہے کیونکہ اگر معرفت ہوتی تو وہ لا الٰہ الا اللہ پر یقین رکھتا، لا الٰہ الا اللہ پر یقین رکھنے والے خدا کی معرفت رکھتے ہیں، لہٰذا وہ خدا کے قریب ہیں۔

اب خدا کے قرب کے درجات اور اس کی معرفت کے درجات لامتناہی ہیں یعنی اُن کی کوئی انتہا نہیں۔ نہ اس کے درجاتِ معرفت ختم ہوتے ہیں اور نہ اس کے قرب کے درجات ختم ہوتے ہیں۔ جتنے درجاتِ معرفت حاصل ہوتے جائیں گے اتنا ہی قرب میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ درجاتِ معرفت بڑھیں، بُعد ختم ہو یعنی دُوری ختم ہو تو واللہ باللہ ثم تاللہ! اللہ والوں کے بغیر تم وہ درجاتِ معرفت طے نہیں کرسکتے۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا۔

ہم نے جب لا الٰہ الا اللہ کہا تو خدا کی توحید اور معبودیت کی تصدیق اور زبان سے اقرار کیا۔ یہ خدا کی معرفت ہے۔ چونکہ درجاتِ معرفت لامتناہی ہیں لہٰذا ان لامتناہی درجات و معرفت کو حاصل کرنے

کے لیے ہمیں وسیلہ کی ضرورت ہے۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ اپنی معرفت کے لیے انبیا و رُسل کو بھیجتا ہے کہ وہ لا الٰہ الا اللہ یعنی توحید و رسالت کی تعلیم دیں اور خدا کی معرفت عطا کریں، لا الٰہ الا اللہ کہنے کے لیے نبی کی ذات وسیلہ ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی معرفت کے درجات اور قرب کے مراتب حاصل کرنے کے لیے بھی وسیلہ کی ضرورت ہے۔

اب میں اس حقیقت کو ذرا اور واضح کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تو ہم سب کے قریب ہے مگر ہم سب اللہ کے قریب نہیں۔ اللہ سے قریب کوئی کوئی ہے اور وہی ہے جس کو اللہ کی معرفت حاصل ہوگئی ہے۔ یہاں یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ جب خدا ہر ایک کے قریب ہے تو ہر ایک بھی خدا کے قریب ہے۔

مسئلے کی مزید وضاحت کے لیے مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک تمثیل مختصراً بیان کرتا ہوں، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایک جوہری کے پاس ایک ایسا بیش بہا لعل تھا جس کی قیمت سوائے بہت بڑے بادشاہ کے کوئی اور ادا نہیں کرسکتا تھا۔ اس جوہری نے سوچا کہ میں لعل کس کے ہاتھ فروخت کروں؟ کوئی اس کی قیمت تو دے نہیں سکتا، کیوں نہ فلاں ملک کے بادشاہ کے پاس چلا جاؤں اور اسے جا کر لعل پیش کروں اور قیمت وصول کروں۔ چنانچہ وہ اپنا لعل لے کر اس ملک کی طرف روانہ ہوگیا، دور دراز کا سفر تھا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ایک آدمی کو پتہ چل گیا کہ یہ جوہری بیش بہا لعل لیے جارہا ہے اور یہ کسی بادشاہ کے پاس جا کر اس کی قیمت وصول کرے گا، تو کیا ہی اچھا موقع ہے کہ میں اس کے ساتھ ہولوں اور دورانِ سفر جہاں موقع ملے میں لعل لے کر چلتا بنوں۔ چنانچہ وہ جوہری کے ساتھ ہولیا۔ دوران سفر جب ان کی ملاقات ہوئی تو اس نے کہا بھائی تم بھی مسافر ہو اور میں بھی مسافر، کیوں نہ دونوں ایک ساتھ چلیں؟ جوہری نے انکار نہ کیا اور دونوں ایک ساتھ چل پڑے، رات کا وقت آیا تو جوہری نے سوچا، نہ معلوم یہ کون ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا لعل لے کر چلتا بنے۔ جوہری نے عقل سے کام لیا۔ اس سے کہا دیکھو بھائی بات یہ ہے کہ ہم دونوں مسافر ہیں اور ایک دو مہینوں کا سفر ہے، ظاہر ہے جاگتے جاگتے تو طے نہیں ہوسکتا۔ بشری تقاضا ہے، سونا ہے، آرام بھی کرنا ہے۔ اب اگر ہم دونوں سو جائیں تو دونوں کے لیے خطرہ ہے کہ کوئی تیسرا آکر ہم دونوں کو ختم کردے اور ہمارا سامان لے جائے، تو دونوں کو نقصان ہوگا۔ اور دونوں جاگتے رہیں تو کب تک جاگتے رہیں گے؟ تو اب اس کی صورت یہی ہوسکتی کہ آدھی رات تم سو جاؤ اور میں جاگتا ہوں اور آدھی رات میں آرام کروں گا پھر تم جاگتے رہنا۔ بات معقول تھی۔ اس کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ لہٰذا اسی پر فیصلہ ہوگیا۔ رات ہوئی، سونے کا وقت آیا۔ جوہری نے کہا آدھی رات تم سو جاؤ جب وقت ہوگا میں تمہیں اٹھا دوں گا اور میں سو جاؤں گا۔ جوہری نے اُسے سُلا دیا۔ تھکا ماندہ تھا، بے ہوش ہوکر سو گیا اور نیند کی آغوش

میں چلا گیا۔ جوہری نے سوچا آدھی رات کے بعد میں نے اسے اُٹھانا ہے اور جب میں سو جاؤں گا تو اسی طرح بے خبر سوؤں گا، تو اس بیش قیمت لعل کا کیا کروں؟ کافی سوچ بچار کے بعد جوہری نے لعل کو سوئے ہوئے ساتھی کے کپڑوں میں اس طرح چھپا دیا کہ اسے مطلقاً احساس نہ ہوا۔ جب وہ مطمئن ہو گیا کہ اس نے لعل کو کپڑوں کے اندر محفوظ کر دیا ہے، تو آدھی رات گزرنے کے بعد جوہری نے اسے اُٹھا دیا کہ بھائی آدھی رات گزر گئی، اب تم جاگو، میں سوتا ہوں۔ وہ خوشی خوشی اُٹھ بیٹھا۔ اُس نے جوہری سے کہا، ٹھیک ہے اب تم سو جاؤ۔ جوہری اطمینان سے سو گیا، کیونکہ اس کو لعل کی تو بالکل فکر نہ تھی۔ جوہری جب سو گیا تو اس کے ساتھی نے اس کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ اس کے سارے بدن کو ٹٹولا مگر لعل تو جوہری کے پاس تھا ہی نہیں، ملتا کہاں سے؟ نہیں ملا، رات گزر گئی۔ دن کو قیلولے کے وقت جوہری نے چپکے سے اپنا لعل نکال لیا۔ یہ بڑا پریشان ہوا مگر یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا کہ چلو آج نہ سہی کل رات سہی، کل نہ سہی پرسوں رات سہی، لعل تو مجھے مل ہی جائے گا۔ دن گزر گیا رات آ گئی۔ جوہری نے کہا آدھی رات تم سو جاؤ۔ اس نے کہا ٹھیک ہے۔ جوہری نے گہری نیند دیکھ کر لعل پھر اس کے کپڑوں میں چھپا دیا۔ آدھی رات کے بعد جوہری جب سو گیا تو یہ پھر اس کے کپڑوں میں لعل تلاش کرتا رہا۔ نہ ملا۔ صبح ہو گئی۔ دوپہر ہوئی قیلولے کا وقت آیا، ساتھی آرام کر رہا تھا۔ جوہری نے چپکے سے اپنا لعل نکال لیا جو کہ رات اُس کے کپڑوں میں چھپایا تھا۔ جوہری لعل کو اچھالنے لگا۔ وہ ساتھی بڑا پریشان ہوا کہ ساری رات میں ڈھونڈتا رہا، مجھے نہیں ملا، اب اس کے پاس کہاں سے آ گیا؟ اگلی رات ہوئی۔ جوہری نے پھر یہی کام کیا، لعل اس کے کپڑوں میں چھپا دیا۔ دوپہر وہ آرام کرنے کے لیے سویا تو پھر نکال لیا۔ نہ لعل رکھنے کا اس کو پتہ چلا نہ نکالنے کا۔ جوہری روزانہ لعل ہاتھوں میں لے کر اچھالتا۔ ساتھی پریشان ہوتا کہ رات کو میں تلاش کر کر کے مر جاتا ہوں، مجھے نہیں ملتا۔ آخر کیا بات ہے؟ روزانہ اسی طرح ہوتا رہا۔ دو مہینے کا سفر تھا آخر ختم ہو گیا۔ ساتھی بولا بھائی سوداگر! سفر تو بخیر و خوبی ختم ہو گیا لیکن اللہ کے لیے مجھے یہ تو بتا دے کہ وہ لعل تو کہاں رکھتا تھا؟ میں تو بہت تلاش کرتا تھا، نہ جانے لعل کہاں ہوتا تھا؟ جوہری کہنے لگا لعل تو تجھ سے قریب ہوتا تھا مگر تو لعل سے دور ہوتا تھا۔ اس نے کہا یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ لعل تو مجھ سے قریب ہوتا تھا اور میں لعل سے دور ہوتا تھا۔ جوہری نے کہا لعل میں تیرے کپڑوں میں چھپا دیتا تھا مگر تجھے اس کی معرفت ہی نہیں ہوتی تھی۔ تو اپنے کپڑوں میں، اپنے سامان میں اسے تلاش ہی نہیں کرتا تھا حالانکہ لعل تو تیرے کپڑوں میں تیرے پاس ہوتا تھا۔ تجھے اس کی معرفت نہیں ہوتی تھی یعنی لعل تو تیرے قریب تھا مگر تو لعل سے دور تھا۔

مولانا روم اس حکایت کے آخر میں فرماتے ہیں۔ اولیا کا یہی مقام ہے کیونکہ انہیں خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ وہ کہیں بھی ہوں، کسی حال میں بھی ہوں، کسی لباس میں ہوں، خدا سے قریب ہوتے ہیں

اور جو خدا کے منکرین ہیں وہ کہیں بھی ہوں، کسی صورت میں بھی ہوں، کسی لباس میں ہوں، خدا اُن سے قریب ہے مگر وہ خدا سے دور ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ حضور سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک کے وسیلہ عظمیٰ کے ہوتے ہوئے آپ اولیا اللہ کو درمیان میں بحیثیت وسیلہ کیوں لاتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ ہی کافی ہے۔

سنیے اولیا اللہ جو ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ہمارے درمیان وسیلہ ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے اور ہمارے درمیان وسیلہ ہیں۔ اولیا کے راستہ پر چل کر ہم بارگاہِ رسالت تک پہنچتے ہیں اور بارگاہِ رسالت وسیلہ ہے بارگاہِ خداوندی تک پہنچنے کا۔

یہاں ایک سوال آیا ہے کہ وسیلہ کے ذریعے آپ کو معرفتِ خداوندی حاصل ہوگئی یا نہیں؟ اگر معرفتِ خداوندی حاصل ہوگئی تو وسیلے کی اب حاجت نہ رہی، وسیلہ بیکار۔ اور اگر معرفت حاصل نہیں ہوئی تو وسیلہ پھر بھی بیکار۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ وسیلہ کسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے جب مقصد حاصل ہوگیا تو وسیلے کی حجت ختم ہوگئی۔ اب اسے ترک کرنا پڑے گا۔ مثلاً ہم کراچی سے گاڑی میں بیٹھ کر ملتان آگئے۔ ملتان تک ٹرین وسیلہ تھی۔ اب جب ملتان کا اسٹیشن آیا تو ہم نے سوچا اگر ملتان اُتر جائیں تو وسیلہ ہاتھ سے جاتا ہے۔ اگر نہ اُتریں تو مقصد ہاتھ سے جاتا ہے۔ اب کیا کریں؟ مقصد کو حاصل کریں یا وسیلے کو؟

قاعدہ تو یہ ہے کہ جب مقصد حاصل ہوجائے تو وسیلے کو ترک کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا اگر تمہیں خدا کی معرفت حاصل ہوگئی تو اب وسیلے کو چھوڑ دو۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ تک پہنچ گئے تو اولیا کے وسیلے کو چھوڑ دو۔ اگر بارگاہِ خداوندی کی معرفت حاصل ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے کو چھوڑ دو۔

میرے دوستو! میں عرض کرتا ہوں اگر مقصد متناہی ہے یعنی مقصد کی کوئی انتہا اور حد ہے تو وسیلہ بھی متناہی اور اگر مقصد غیر متناہی ہے تو وسیلہ بھی غیر متناہی ہوگا۔ آپ نے سوال میں جو کراچی سے ملتان کی مثال دی ہے وہ متناہی مقصد کی مثال ہے۔ اگر مقصد غیر متناہی ہے تو وسیلہ بھی غیر متناہی ہوگا۔ ہمارا مقصد خدا کی ذات ہے اور خدا کی ذات لامتناہی ہے، اس کی صفات لامتناہی ہیں بلکہ اس کی معرفت کے درجات بھی لامتناہی ہیں۔ تم خدا کی معرفت کے درجات ختم کردو میں وسیلے کو چھوڑ دوں گا۔ مزید وضاحت کے لیے عرض کرتا ہوں!

ہم ہر نماز میں سورۃ فاتحہ میں یہ کلمات پڑھتے ہیں **اھدنا الصراط المستقیم**، یا اللہ ہمیں سیدھی راہ دکھا، صراط مستقیم پر چلا۔ آپ سے پوچھتا ہوں کیا آج تک آپ کو سیدھی راہ نہیں ملی؟ پھر کوئی شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ ایک آدمی موت کے وقت بھی نماز میں یا ویسے ہی **اھدنا الصراط المستقیم** کہہ رہا ہے، گویا اب تک اسے سیدھی راہ نہیں ملی، کیا آپ اسے مان لیں گے؟ اگر یہ بات تسلیم کرلیں کہ اسے اب

تک سیدھی راہ نہیں ملی، اگر نہیں ملی تو بے ایمان مرا، اور اگر اسے سیدھی راہ مل گئی ہے تو پھر اھدنا الصراط المستقیم کی دعا کیوں مانگ رہا ہے؟

عزیزانِ گرامی! مَیں عرض کردوں اھدنا الصراط المستقیم کی دعا بھی اس کی معرفت کی راہیں ہیں اور اس کی معرفت کی راہیں کہیں ختم نہیں ہوتیں، لہٰذا ہماری دعا بھی کہیں ختم نہیں ہوتی۔ ہم معرفت کے جس درجے پر پہنچے اس کے بعد ایک اور درجہ ہے۔ ہم نے کہا مولا! اپنی معرفت کے اس درجے پر پہنچنے کی راہ دکھا۔ نہ اس کی منزلیں ختم ہوں گی، نہ اس کی راہیں ختم ہوں گی اور نہ دعائیں ختم ہوں گی، کل یوم ھو فی شان، فبای الاءِ ربکما تکذبٰن.

جسے منزل سمجھتا ہوں وہ پھر منزل نہیں رہتی
حجابِ نور کا یہ سلسلہ یارب کہاں تک ہے

حوالہ جات

[۱]- القرآن الحکیم: سورۃ المائدۃ، آیت ۳۵

[۲]- القرآن الحکیم: سورۃ ق، آیت ۱۶

[۳]- القرآن الحکیم: سورۃ زمر، آیت ۳

[۴]- القرآن الحکیم: سورۃ الاحزاب، آیت ۴۵، ۴۶

[۵]- القرآن الحکیم: سورۃ الصّفت، آیت ۹۶

[۶]- یہ روایت مشکوٰۃ، کتاب العلم (عربی) مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ص ۳۸ پر ''یوشک ان یاتی'' کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے، البتہ کنز العمال میں حدیث نمبر ۳۱۱۳۲ میں ''سیاتی'' کے ہی الفاظ ہیں۔

[۷]- صحیح بخاری، باب من رایا بالقرآن، کتاب فضائل القرآن، جلد۲، صفحہ ۷۵۶

[۸]- صحیح مسلم، مقدمہ، باب: النھی عن الروایۃ عن الضعفاء، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی، جلد اوّل، ص ۱۰

OOOOOOO

تعلیم و تعلّم اور امام احمد رضا علیہ الرحمہ

تحریر: غلام مصطفیٰ قادری، مالی گاؤں

علم ''اجالا'' ہے۔ ایسا اجالا کہ جو چھپائے نہیں چھپتا، مٹائے نہیں مٹتا، عام کرنے سے نہیں گھٹتا۔ قرآنِ مقدس میں تعلیم و تعلّم کے پیش رو بہت سے مضامین آئے ہیں۔ قرآنِ مقدس کی سمجھ کے لیے بھی علم چاہیے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: اَلرَّحْمٰنُ o عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ o ''رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا'' ۱۔

قرآن! علم و حکمت کا منبع ہے جس کی تعلیم حق تعالیٰ نے اپنے محبوب سید عالم ﷺ کو فرمائی اور صحابۂ کرام کی مقدس جماعت نے معلمِ کائنات سید عالم ﷺ سے قرآنِ مقدس کی تعلیم لی اور علوم سیکھے۔ اور ان کا نقشِ قدم بعد والوں کے لیے ہدایت ہوا اور وہ راہ بر و راہ نما ٹھہرے۔

تیرے غلاموں کا نقشِ قدم ہے راہِ خدا وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے

اللہ عزوجل نے اپنے آخری نبی حضور سید عالم ﷺ کو بھیج کر حق و باطل، اچھائی، برائی کے فرق کو واضح کر دیا۔ حق ظاہر فرما دیا اور ہر ایک کے لیے معیار ''علم'' بنایا۔ تا کہ سچی راہ کا انتخاب بآسانی ہو۔ پھر اس کے لیے علمِ دین کو فرض قرار دیا گیا تا کہ ایمان و عقیدہ کی تعمیر و حفاظت ہو سکے اور نور و نار کے درمیان امتیازات کیے جا سکیں۔

حضور سید عالم ﷺ سے صحابہ نے، ان سے تابعین نے اور پھر بعد والوں نے علم سیکھا اس طرح تعلیم و تعلّم کا سفر جاری رہا اور باضابطہ پہلی درس گاہ مسجد نبوی سے متصل قائم ہوئی اور اس سے اُٹھنے والے نور نے ساری کائنات کو روشن و منور کر دیا۔

اسلام نے جہاں علم کو اوّلیت دی ہے اور علمِ دین کا حاصل کرنا فرض قرار دیا ہے وہیں علم سکھانے والے ''معلم'' (استاذ) کے مقام و مرتبہ کو پہچنوایا ہے۔ معلم کی اہمیت قرآن مقدس کے اس بیان سے بھی مزید واضح ہوتی ہے:

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ o

''تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں'' ۲

علم و فن کو مسلمانوں نے ترقی دی۔ سرزمین عرب سے نمودار ہو کر اسلام کی کرنوں نے دیگر بلاد و امصار کو بھی روشن روشن کر دیا تو علم کا بھی نصیبہ جاگ اُٹھا۔ تحقیق و تدقیق کی راہیں کھلیں۔ قرآن جو علم و حکمت کا سرچشمہ ہے اس سے استفادہ عام ہوا۔ ذہن کی گرہیں کھلیں، مشاہدات و تجربات کے در کھل

گئے۔ علم وفن کے نئے نئے پہلو متعارف ہوئے۔ مسلمانوں نے ہر علم وفن کو اسلام کا ہی مرہون منت جانا اور اصل علاقہ ''علمِ دین'' سے رکھا بایں ہمہ دنیا کے قائد و معلم رہے۔ ایک مسلمان عالمِ دین ہوتا تو ساتھ ہی سائنس، حکمت، ریاضی و دیگر علوم وفنون میں ماہر و مشاق۔ اکابرِ امت و علماے ملت نے اس قدر کو نبھائے رکھا۔ ہندستان کی سرزمین پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کی ذات شاہد ہے جن کی دینی وعلمی خدمات نے مسلمانوں کے ایمان وایقان کی حفاظت کا حصار قائم کیا۔

استحضارِ علمی: امام احمد رضا محدث بریلوی، علم وفن کا بحرِ عمیق۔ جس میں غواصی کی جائے تو تہہ نہ ملے۔ یہ اللہ عزوجل کا انعام واکرام ہے۔ آپ کے استحضارِ علمی کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ آج عالمی یونی ورسٹیوں میں آپ کے علوم وفنون، حیات وخدمات، دینی وفقہی بصیرت پر تحقیق کی جا رہی ہے جب کہ علوم وفنون کا یہ مرجع نہ تو کسی کالج و یونیورسٹی میں پڑھا نہ کسی ماہرِ فن کے حضور زانوے تلمیذ تہہ کیا۔ جو پڑھا دین کا علم پڑھا۔ جملہ درسیات کی تکمیل اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خاں بریلوی سے گھر پر کی۔ اپنے دورِ طالب علمی کے احوال بقلم محدث بریلوی ملاحظہ فرمائیں اور آپ کی استعدادِ علمی کی داد دیں:

''بچپن میں استاذ محترم نے ''علم الفرائض'' میں وارثوں کے حصے اور ان کی تقسیم کا طریقہ بتایا تھا وہ بھی زبان مبارک سے، کتاب کے بغیر، صرف ایک گھڑی کے اندر اور حساب کے صرف چار قاعدے سکھائے تھے: ۱۔جمع ۲۔تفریق ۳۔ضرب ۴۔تقسیم

ان قاعدوں کی تعلیم اس لیے دی تھی کہ علمِ فرائض میں جو علومِ دینیہ کا نصف ہے ان کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ اور علمِ ہیئت سے شرح چغمینی کے چند اوراق دائرۃ الارتقاع تک پڑھائے تھے۔ اور علمِ ہندسہ سے نصیر طوسی کی تحریر اقلیدس کی صرف شکل اوّل کی تعلیم دی تھی۔ مَیں نے جب سیدی والد (قدس الواجد سرہ الماجد) سے شکل اوّل تک پڑھا تو خدا معلوم انہوں نے مجھ میں کیا دیکھا کہ زیادہ پڑھنے سے روک دیا اور فرمایا اس میں اپنا وقت ضائع نہ کر تو اپنی فکر اور ذہن کے ذریعہ خود ہی اس سب کو حل کر لے گا۔ اپنے آپ کو صرف علومِ دینیہ کی تحصیل و تکمیل میں مشغول رکھ۔ میں نے ان کے اس ارشادِ گرامی کی برکت اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کی ہے۔ سب تعریفیں دن رات کے اندر صرف اللہ تبارک شانہٗ کو ہیں۔ اور علمِ تکسیر سے مثلث و مربع کے بعض طرق سکھائے۔ ازاں بعد فقیر نے قدرت والے رب کی مدد سے ان تمام علوم وفنون میں غواصی کی اور ان کے دقائق آسان کر کے ان کے اصحاب کو سکھائے اور ان کی کتابیں پوری چھان بین اور تنقید کے ساتھ پڑھائیں۔'' ۳

مذکورہ سطور کے مطالعہ سے محدث بریلوی کے حزم و احتیاط، حکمت و تدبر اور علومِ دینیہ کی اہمیت و افادیت نیز تفننِ طبع کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے اور آپ کی علمی بصیرت کا درخشاں پہلو اجاگر ہوتا ہے۔

مسلمانوں کا تعلیمی انحطاط اور اخلاقی زوال اور مسلم معاشرے پر مغربی تمدن کے اثرات، فحاشی و عریانیت کی یلغار پوشیدہ نہیں۔ محدث بریلوی چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی زندگی اسلام کے سانچے میں ڈھلی رہے اور اس کا اظہار کردار و گفتار، افکار و اطوار اور افعال سے ہو۔ آپ تعلیم و تعلم، درس و تدریس کے نشیب و فراز سے واقف اور علمی و فنی نزاکتوں سے آگاہ تھے اور نصاب کے لوازمات سے باخبر۔ ۷۰ر سے زائد قدیم و جدید علوم و فنون کے ماہر اور لگ بھگ ایک ہزار کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ کے تعلیمی نظریات قوم کی تعمیر و ترقی اور فلاح و اصلاح کے ضامن ہیں اور صحت مند مسلم معاشرے کی تشکیل میں معاون۔

فضیلتِ علم: امام احمد رضا محدث بریلوی علم کی فضیلت سے متعلق تحریر فرماتے ہیں: ''مصطفیٰ ﷺ جنہوں نے علم و علما کے فضائلِ عالیہ ارشاد فرمائے۔ انہیں کی حدیث میں وارد ہے کہ علما وارث انبیا کے ہیں، انبیا نے درم و دینار ترکہ میں نہ چھوڑا علم اپنا ورثہ چھوڑا ہے جس نے علم پایا اس نے بڑا حصہ پایا۔'' ۴

فرض عین علم: علامہ محمد عبدالمبین نعمانی تحریر فرماتے ہیں: ''آج کل علم کا بڑا چرچا ہے، تعلیم کو کافی فروغ بھی مل رہا ہے۔ تعلیم کی اہمیت و فضیلت پر تقریر و تحریر کے ذریعے زور دار انداز سے روشنی بھی ڈالی جارہی ہے۔ ''علم سیکھنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے'' اس کا بھی بار بار ذکر کیا جاتا ہے۔ لیکن افسوس کہ اس علم سے کون سا علم مراد ہے اس کی تعیین میں بہت من مانی سے کام لیا جاتا ہے جو جس علم کی اہمیت زیادہ سمجھتا ہے اس پر اس حدیث کو فٹ کرتا نظر آتا ہے بلکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ دنیاوی علم کے دلدادہ اور فرنگی تہذیب کے شیدا حضرات اس حدیث کو بہت زیادہ پڑھتے اور سناتے اور اس کے ذریعہ دنیاوی علم کی طرف رغبت دلاتے ہیں۔ دنیاوی علوم حاصل کرنا صنعت و حرفت اور سائنس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا منع نہیں۔ اسلام اور علمائے اسلام نے ان سے کبھی منع نہیں کیا۔ البتہ اس بات کا غلط پروپیگنڈہ خوب کیا گیا۔ کسی چیز کا جائز ہونا اور بات ہے اور اس کی فرضیت چیزے دگر۔'' ۵

فرض عین علم صرف ''علمِ دین'' ہے۔ رہی بات دیگر علوم کی اس تعلق سے محدث بریلوی نے قدرے وضاحت فرمائی ہے اور ان علوم کی تعلیم سے متعلق اسلامی احکام واضح کیے ہیں۔ جن کی بابت اس مقالے میں گفتگو ہوگی۔ محدث بریلوی رقم طراز ہیں: ''فقیر غفراللہ تعالیٰ لہٗ۔ قرآن و حدیث سے صدہا دلائل اس معنی پر قائم کرسکتا ہے کہ مصداقِ فضائل (علم) صرف علومِ دینیہ ہیں و بس۔'' ۶

دنیا! بندۂ مومن کے لیے آخرت کی کھیتی ہے۔ ایک مسلمان کے لیے دنیا، دین سے جدا نہیں اور علمِ دین کے ثمرات دنیا تو دنیا آخرت میں بھی ظاہر ہوں گے۔ بایں سبب علمِ دین کا سیکھنا فرض قرار دیا گیا پھر دیگر علوم کی تعلیم بقدرِ ضرورت لی جاسکتی ہے۔

دین کا علم حاصل کیے بغیر دیگر علوم جغرافیہ، تاریخ وغیرہ میں وقت لگانا جائز نہیں اس لحاظ سے محدث

بریلوی رقم طراز ہیں: ''علم دین سیکھنا اس قدر کہ مذہب حق سے آگاہ ہو، وضو، غسل، نماز، روزے وغیرہا ضروریات کے احکام سے مطلع ہو۔ تاجر تجارت، مزارع زراعت، اجیر اجارت، غرض ہر شخص جس حالت میں ہے اس کے متعلق احکامِ شریعت سے واقف ہو، فرض عین ہے جب تک یہ حاصل کرے، جغرافیہ، تاریخ وغیرہ میں وقت ضائع کرنا جائز نہیں۔'' ۷

غرض یہ کہ علم وہی ہے جس سے معرفتِ الٰہی عزوجل حاصل ہو اور سرکار اقدس سید عالم ﷺ کی ذاتِ بابرکت کی پہچان۔

فرضِ کفایہ علم: امام احمد رضا محدث بریلوی فرماتے ہیں: ''ان ضروریات (فرض عین علم) سے فراغ کے بعد پورا علم دین فقہ، حدیث، تفسیر، عربی زبان، اُس کی صرف، نحو، معانی، بیان، لغت، ادب وغیرہا آلات علومِ دینیہ بطور آلات سیکھنا سکھانا فرضِ کفایہ ہے۔'' ۸

مباح علم: محدث بریلوی بعض فنون کا ذکر مباح کام کے زمرے میں کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''ہاں جو شخص ضروریاتِ دین مذکورہ سے فراغت پاکر اقلیدس، حساب، مساحت، جغرافیہ وغیرہا وہ فنون پڑھے جن میں کوئی امر مخالف شرعی نہیں تو ایک مباح کام ہوگا جب کہ اس کے سبب کسی واجب شرعی میں خلل نہ پڑے ورنہ۔

مبادا دل آں فرو مایہ شاد　　از بہر دنیا دہد دیں بباد ۹

علومِ عقلیہ: امام احمد رضا محدث بریلوی فکرِ صحیح کے مالک تھے۔ آپ کا معیار وہی تھا جو قرآن وسنت نے دیا لہٰذا اس کسوٹی پر جسے کھرا پایا اسے قبول کیا اور جسے برخلاف اسے پامال کر دیا اور اس سے قوم کو بچنے کی تلقین وتنبیہ فرمائی۔ علومِ عقلیہ (مثلاً سائنس، جغرافیہ، ہیئت، ریاضی وغیرہ) سے متعلق متوازن فکر دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''تو مطلقاً علومِ عقلیہ کے تعلیم وتعلم کو ناجائز بتانا یہاں تک کہ بعض مسائلِ صحیحہ مفیدہ عقلیہ پر اشتمال کے باعث توضیح وتلویح جیسے کتبِ جلیلہ عظیمہ دینیہ کے پڑھانے سے منع کرنا سخت جہالت شدیدہ وسفاہت بعیدہ ہے۔'' ۱۰

دیگر علوم کی تحصیل: محدث بریلوی کے نزدیک دین کا علم سیکھنا ہی سب سے اہم وافضل ہے۔ اگر دیگر علوم کو دین کی بنیادوں پر سیکھا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ ایک مقام پر منطق کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں: ''نفس منطق ایک علم آلی وخادم علم اعلی الاعالی ہے اس کے اصل مسائل یعنی مباحث کلیاتِ خمسہ وقول شارح وتقاسیم قضایا وتناقض وعکوس وضاعات خمس کے تعلم میں اصلاً حرج شرعی نہیں، نہ یہ مسائل شرع مطہر سے کچھ مخالفت رکھیں۔'' ۱۱

یہ ناروا ہے کہ علمِ دین کے سوا دیگر علوم میں منہمک ہو رہے اور ان میں اپنے اوقات صرف کردے۔

چاہیے کہ دیگر علوم وفنون کو دین کی بنیادوں پر اور اس کے اصولوں کی روشنی میں سیکھا جائے۔ دینی ضرورت کے تحت یا مسائل شرع میں جو علوم معاون ہوں ان کا حاصل کرنا محمود ہے۔ محدث بریلوی کے مطابق:

''خصوصاً علمِ طب کا مفید ومحمود ومحتاج الیہ ہونا تو ظاہر یونہی فرائض کے لیے ضروری حساب اور ہمیں معرفت صحیحہ اوقات طلوع فجر کاذب وصادق وشمس وضحوۂ کبریٰ واستوا وظلِ ثانی غایۃ الارتفاع ومثل اول وثانی وغروب شمس وشفق احمر وابیض کہ نماز وسحری وافطار وغیرہا امورِ دینیہ ومسائل شرعیہ میں ان کی سخت حاجت عامہ کو بروجہ تحقیق بقدر قدرت بشری بے علم زیجات یا آلاتِ رصدیہ نامتصور ان کی ناواقفی سے بہت لوگ سخت غلطیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔'' ۱۲

جو علوم کسی نہ کسی طرح مفید وکارآمد ہیں ایسے علوم کو بقدر ضرورت حاصل کرنے کی اجازت ہے لیکن اسی میں مشغول ہو رہنا وقت کو ضائع کرنا ہے۔ محدث بریلوی کا یہ ارشاد جہاں بلاغت کا مرقع ہے وہیں فکر انگیز اور سینکڑوں صفحات پر بھاری ہے۔ محدث بریلوی تحریر فرماتے ہیں۔

''ہاں علم آلی سے بقدر آلیت اشتغال چاہیے اس میں منہمک ہو جانے والا سفینہ جاہل اور مقاصدِ اصلیہ سے محروم وغافل ہے، اسی طرح بہت اجزاے حکمت مثل ریاضی، ہندسہ وحساب وجبر ومقابلہ وارثماطیقی وسیاحت ومرایا ومناظر وجرثقیل وعلمِ مثلث کروی ومثلث مسطح وسیاستِ مدن وتدبیر منزل ومکائد حروب وفراست وطب وتشریح وبیطرہ وبیزرہ وعلم زیجات واسطرلاب وآلاتِ رصدیہ ومواقیت ومعادن ونباتات وحیوانات وکائنات الجو وجغرافیہ وغیرہا بھی شریعتِ مطہرہ سے مضادت نہیں رکھتے بلکہ ان میں بعض بلاواسطہ بعض بالواسطہ امورِ دینیہ میں نافع ومعین اور بعض دیگر دنیا میں بکار آمد ہیں اگرچہ مقاصدِ اصلیہ کے مواحاجت سے زیادہ کسی شے میں توغل فضولی وبیہودگی ہے۔'' ۱۳

ایک اور مقام پر محدث بریلوی ارشاد فرماتے ہیں: ''ان (علوم دینیہ) کے سوا کوئی علم شرع کے نزدیک علم، نہ آیات واحادیث میں وارد، اگرچہ عرف ناس میں یا باعتبار لغت اُسے علم کہا کریں، ہاں آلات ووسائل کے لیے حکم مقصود کا ہوتا ہے مگر اُسی وقت تک کہ وہ بقدر توسل وتقصد توسل سیکھے جائیں اس طور پر وہ بھی مورد فضائل ہیں۔'' ۱۴

علومِ اسلامیہ کے سوا دیگر علوم کی تحصیل میں محدث بریلوی کے مذکورہ ضابطے کی روشنی میں ہم درج ذیل نتائج اخذ کر سکتے ہیں:

(۱) وہ علوم جو علومِ دینیہ کی سمجھ کے لیے ذریعہ ہوں مثل منطق، ریاضی، ہیئت وغیرہ ان کے حصول میں کوئی قباحت نہیں۔

(۲) بعض وہ علوم جو دین کے امور میں فیصلے کے صدور میں معاونت کرتے ہیں اور انہیں حاصل نہ

کرنے پر غلطیوں کا احتمال ہو ایسے علوم کا حاصل کرنا محمود ہے۔

(۳) دین کے علم کے سوا دیگر علوم کا ہی ہو رہنا غفلت ہے اور تضیع اوقات۔

ممنوعہ علوم: دین و دنیا میں جن علوم کے مضرات ظاہر ہوں، جو عقاید کو تباہ اور اعمال کو برباد کردیں، ایمان و ایقان کو متزلزل اور فکر کو مضمحل کردیں ایسے علوم کا حصول ناروا اور نقصان دہ ہے اس لحاظ سے محدث بریلوی کے بالترتیب چند ارشادات ملاحظہ کریں:

(۱) **فلسفہ کی مذمت:** ''اور فلسفہ تو حرام و مضر اسلام ہے، اسی میں منہمک رہنے والا اجہل جاہل، اجہل بلکہ اس سے زائد کا مستحق ہے، **لاحول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**، ہیہات ہیہات اُسے علم سے کیا مناسبت، علم وہ ہے جو مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ترکہ ہے، نہ وہ جو کفار یونان کا پس خوردہ۔'' ۱۵

(۲) **باطل نظریات کی تردید:** علوم وفنون مسلمانوں کی میراث، انھیں مسلمانوں نے سنوارا اور عام کیا بعد کو یہود و نصاریٰ نے ان پر قبضہ جمایا اور پھر عقایدِ باطلہ کی آمیزش کے ساتھ علوم کو مشتہر کیا اور اسلامی عقاید پر رکیک حملے کیے۔ محدث بریلوی باطل افکار وخیالات سے متعلق یہ فیصلہ صادر فرماتے ہیں:

''ہاں اکثر طبعیات و عامہ الہیات فلاسفہ مخذولین صدہا کفر صریح و شرکِ جلی پر مشتمل مثلاً زمان و حرکت و افلاک ہیولی و صورتِ جرمیہ و نوعیہ و سفسطات دالذاع موالید و نفوس کا قدم اور خالقیت عقول مفارقہ و انکار فاعل مختار و علم جزئیات وحشر اجساد و جنت و نار و احالہ خرق افلاک و اعادۂ معدوم و صدرو کثیر عن الواحد وغیرہا اور ان کے سوا اور اجزا و فروع فلسفہ بھی کفریاتِ صریحہ و محرماتِ قبیحہ سے مملو ہیں۔'' ۱۶

یہود و نصاریٰ نے علومِ جدیدہ، سائنس و فلسفہ کے توسط سے اسلام پر حملے کیے۔ محدث بریلوی نے ان کا بروقت جواب دیا اور ان کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیا۔ ۱۹۱۹ء میں امریکی میٹرولوجسٹ البرٹ. ایف. پورٹا کی باطل پیشین گوئی کے ردّ میں ''معین مبین بہر دور شمس وسکون زمین'' کی تصنیف اسی سلسلے کی کڑی ہے اس کا انگریزی ترجمہ نگار معرفانی نے The Revolving sun and the static earth کے نام سے کیا ہے اور ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی نے اس اشاعت کی ہے۔ اردو میں رضا اکیڈمی ممبئی سے اشاعت ہوچکی ہے۔

یوں ہی حرکتِ زمین کے ردّ میں، فلسفہ کے نظریاتِ باطلہ (قدیم و جدید) کے ردّ میں محدث بریلوی کی درج ذیل کتابوں کا مطالعہ کیا جانا چاہیے:

(۱) نزولِ آیات فرقان بسکون زمین و آسمان (مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

(۲) فوزِ مبین در ردِ حرکتِ زمین (مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

(۳) الکلمۃ الملہمہ فی الحکمۃ المحکمۃ (مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

(۴) مقامع الحدید علیٰ خد المنطق الجدید (مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور و رضا اکیڈمی ممبئی)

''فوز مبین'' کا انگریزی ترجمہ ۲۰۰۵ء میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا نے درج ذیل نام سے شائع کیا ہے اور مترجم ہیں عبدالحمید مہاسکر۔ بعنوان: "A Fair Success refuting Motion of earth"

اُستاذ کا مقام: نصاب اور مواد کا افادہ جبھی ظاہر ہوتا ہے جب کہ اس کا تعلم درست ہو اور اس کے لیے استاذ (معلم) کا کردار کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ سلیم اللہ جندران کے مطابق: ''تدریسی مواد کتنا ہی اعلیٰ، معیاری، دلکش کیوں نہ ہو اگر اسے پیش کرنے والے استاذ کا طریقۂ تدریس موزوں، درست اور موجودہ حالات کے تقاضوں کے مطابق نہ ہو تو وہی مواد حقیقی مقاصد کے حصول کی بجائے بوریت اور بیزاری کا سبب بنتا ہے۔'' ۱۷

الغرض تعلیم، تدریس و تربیت کے لیے استاذ کا رول مرکزی ہوتا ہے۔ اس رو سے استاذ کی اہمیت کو محدث بریلوی کے اس ارشاد کی روشنی میں بخوبی سمجھا جاسکتا ہے:

''پیر و استاذِ علم دین کا مرتبہ ماں باپ سے زیادہ ہے وہ مربی بدن ہیں یہ مربی روح، جو نسبت روح کو بدن سے ہے وہی نسبت استاذ و پیر سے ماں باپ کو ہے۔'' ۱۸

استاذ کیسا ہو: قانون سے انحراف نہیں کیا جاسکتا۔ شریعت، اسلام کا قانون ہے۔ ہر مسلمان پر ہر آن اس کی پاس داری ضروری ہے۔ استاذ و شاگرد بھی امورِ شرع کا التزام کریں۔ شریعت میں استاذ کا احترام سکھایا گیا ہے لیکن اس کے احکام کا اطلاق غیر شرعی باتوں میں نہیں ہوسکتا۔ محدث بریلوی کے بقول:

''عالمِ دین ہر مسلمان کے حق میں عموماً اور استادِ علم دین اپنے شاگرد کے حق میں خصوصاً نائب حضور پُر نور سید عالم ﷺ ہے، ہاں اگر وہ کسی خلافِ شرع بات کا حکم کرے ہرگز نہ مانے کہ **لاطاعة لاحد فی معصیة الله تعالیٰ**'' ۱۹

حضرت محمد بن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ یہ علم (یعنی قرآن و حدیث کو جاننا) دین ہے لہٰذا تم دیکھ لو کہ اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔ ۲۰

تعلیم و تعلّم کے چند شرائط: تعلیم و تدریس کا انحصار استاذ پر ہوتا ہے اس کے لیے فرش و فروش اور عمارت کی وہ ضرورت نہیں جو استاذ کی ہے۔ تعلیم و تعلّم میں جو شرائط استاذ پر عائد ہوتی ہیں اس بارے محدث بریلوی کے پیش کردہ سات نکات بالترتیب پیش کیے جاتے ہیں:

اولاً: انہماک فلسفیات و توغل مزخرفات نے معلم کے نورِ قلب کو منطفی اور سلامت عقل کو منفی نہ کردیا ہو کہ ایسے شخص پر خود ان علومِ ملعونہ سے یک لخت دامن کشی فرض اور اس کی تعلیم سے ضرر اشد کی توقع۔

ثـانیاً: وہ عقاید حقہ اسلامیہ سُنیہ سے بروجہ کمال واقف و ماہر اور اثباتِ حق و ازہاقِ باطل پر بعونہ

تعالیٰ قادر ہو ورنہ قلوب طلبہ کا تحفظ نہ کر سکے گا۔

ثالثاً: وہ اپنی اس قدر کو بالتزام تام ہر سبق کے ایسے محل و مقام پر استعمال بھی کرتا ہے ہر گز کسی مسئلہ باطلہ پر آگے نہ چلنے دے جب تک اُس کا بطلان متعلم کے ذہن نشین نہ کردے۔ غرض اس کی تعلیم کا رنگ وہ ہو جو حضرت بحرالعلوم قدس سرہٗ الشریف کی تصانیفِ شریفہ کا۔

رابعاً: متعلم کو قبل تعلیم خوب جانچ لے کہ پورا سُنّی صحیح العقیدہ ہے اور اُس کے قلب میں فلسفۂ ملعونہ کو عظمت وقعت متمکن نہیں۔

خامساً: اس کا ذہن بھی سلیم اور طبع مستقیم دیکھ لے۔ بعض طبائع خواہی نخواہی زیغ کی طرف جاتے ہیں حق بات اُن کے دلوں پر کم اثر کرتی اور جھوٹی جلد پیر جاتی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ وان یروا سبیل الرشد لا یتخذوہ سبیلا ٥ وان یروا سبیل الغی یتخذوہ سبیلا۔

(اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اگر درستی اور ہدایت کی راہ دیکھیں تو اس پر نہیں چلتے اور اگر گمراہی کی راہ دیکھ لیں تو اس پر چلنے لگتے ہیں)

بالجملہ گمراہ ضال یا مستعد ضلال کو اس کی تعلیم حرام قطعی ہے ع

اے لوری کوئی دیت ہے متوازن ہتھیار

سادساً: معلم و متعلّم کی نیت صالحہ ہو نہ اغراض فاسدہ۔

سابعاً: تنہا اُسی پر قانع نہ ہو بلکہ دینیات کے ساتھ اُن کا سبق ہو کہ اس کی ظلمت اس کے نور سے متجلی ہوتی رہے ان شرائط کے لحاظ کے ساتھ بعونہٖ تعالیٰ اس کے ضرر سے تحفظ رہے گا۔ اور اس تعلیم و تعلم سے انتفاع متوقع ہوگا۔ [۲۱]

موجودہ دور آرائش و نمائش کا ہے۔ جہاں چکا چوند دکھائی دیا دل ادھر ہی کھینچے چلے جاتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے مروّج نظامِ تعلیم میں انہیں قدروں کا التزام تھا۔ ظاہری سج دھج کے ساتھ ہی مال واموال کے ذرائع بھی اس میں شامل کیے گئے اور ان علوم کو وجۂ افتخار و باعثِ عزت گردانا گیا۔ حالاں کہ اصل علم وہی ہے جو دین کا ہے۔ جو معرفتِ الٰہی عزوجل کا ذریعہ اور بارگاہ سید عالم ﷺ سے نسبت کا سبب ہے۔ محدث بریلوی نے مذکورہ نکات میں یہی فکر دی ہے کہ قلب و نظر میں ایمان کا نور رچا بسا رہے۔ آج اگر ان تجاویز کی روشنی میں تعلیم دی جائے تو ہمارے اساتذہ و مدرسین، طلبہ و متعلمین عمدہ نتائج سے ہم کنار ہوسکیں گے۔ اور قوم کا تعلیمی پہلو جو ہنوز پستی کا شکار اور بتدریج تنزل پذیر ہے وہ تابندہ ہو جائے گا۔

☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱؎ الرحمٰن: ۱،۲، کنز الایمان، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی

۲؎ النحل: ۴۳، کنز الایمان، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی

۳؎ احمد رضا بریلوی، امام، الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ و المدینۃ، مشمولہ رسائل رضویہ، مطبوعہ ادارہ اشاعتِ تصنیفاتِ رضا بریلی، اردو ترجمہ علامہ محمد احسان الحق قادری، ص ۱۶۱۔۱۶۳

۴؎ محمد عبدالمبین نعمانی قادری، علامہ، علمِ دین و دنیا، مطبوعہ رضا اکیڈمی مالیگاؤں، ص ۶

۵؎ ایضاً، ص ۱

۶؎ ایضاً، ص ۷

۷؎ احمد رضا بریلوی، امام، فتاویٰ رضویہ (مترجم) مطبوعہ مرکز اہلسنت برکات رضا پور بندر گجرات ۲۰۰۳، ج ۲۳، ص ۶۴۷

۸؎ ایضاً۔ص ۶۴۸

۹؎ ایضاً

۱۰؎ ایضاً، ص ۶۳۴

۱۱؎ ایضاً، ص ۶۳۱

۱۲؎ ایضاً، ص ۶۳۳

۱۳؎ ایضاً، ص ۶۳۲

۱۴؎ ایضاً، ص ۶۲۸

۱۵؎ ایضاً

۱۶؎ ایضاً، ص ۶۳۴

۱۷؎ سلیم اللہ جندران، امام احمد رضا خاں کا طریقہ تدریس، مشمولہ معارف رضا سالنامہ ۲۰۰۴ء کراچی، ص ۱۲۷

۱۸؎ احمد رضا بریلوی، امام، فتاویٰ رضویہ (مترجم) مطبوعہ مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر گجرات ۲۰۰۳ء، ج ۲۳، ص ۷۰۱

۱۹؎ ایضاً، ص ۶۳۸

۲۰؎ جلال الدین احمد امجدی، مفتی، انوار الحدیث، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۶ء، ص ۱۱۱، بحوالہ مسلم ومشکوٰۃ

۲۱؎ احمد رضا بریلوی، امام، فتاویٰ رضویہ (مترجم) مطبوعہ مرکز اہلسنت برکات رضا پور بندر گجرات، ۲۰۰۳ء، ج ۲۳، ص ۶۳۵

مولانا فضلِ حق خیر آبادی اور ۱۸۵۷ء کا فتوائے جہاد

از: ڈاکٹر صابر سنبھلی، سیف خان سرائے، سنبھل مراد آباد

بیسویں صدی کے نصف آخر میں مولانا فضل حق خیر آبادی کو ہندستان کی جنگ آزادی سے الگ کرنے کی ایک علمی کوشش کی گئی ہے۔ ان کوشش کرنے والوں میں دو نام بہت نمایاں ہیں۔ پہلا مولانا امتیاز علی خاں عرشی کا اور دوسرا جناب مالک رام کا۔ بہتر ہے کہ اس کوشش کا ایک علمی جائزہ لے لیا جائے۔

مولانا عرشی کا مندرجہ بالا عنوان سے ایک مضمون پہلے ماہ نامہ "تحریک" نئی دلی (اگست ۱۹۵۷ء) میں شائع ہوا تھا۔ دوسری بار یہ ماہ نامہ "نیا دور" لکھنو کے جنوری / فروری ۱۹۸۱ء کے مشترکہ شمارے میں شاملِ اشاعت ہوا۔ مولانا عرشی نے اس مضمون میں دست یاب ذرائع سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ ۱۸۵۷ء کے فتوائے جہاد سے علامہ فضل حق خیر آبادی کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ جب کہ اس مضمون کی اشاعت سے قبل اس فتوے کے ذکر کے ساتھ جو سب سے اہم اور مشہور نام جڑا ہوا تھا وہ مولانا فضلِ حق خیر آبادی کا ہی تھا۔ مولانا عرشی کے اس مضمون کی خاصی مخالفت ہوئی۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عرشی کی اس تحقیقی کاوش پر گہری تنقیدی نظر ڈالی جائے۔

مضمون کے مندرجات سے بحث کرنے سے پہلے یہ لکھ دینا بھی ضروری ہے کہ یہ مضمون مولانا محمد عبدالشاہد خاں شیروانی کی کتاب "باغیِ ہندستان" کے چند اندراجات کی تردید میں تھا۔ مولانا شیروانی نے مولانا خیر آبادی کے سوانحی حالات میں اس فتوے اور مقدمے کے بارے میں "سیر العلماء" مصنفہ مولانا بہاء الدین گوپاموی کی ایک عبارت نقل کی تھی۔ مولانا عرشی نے اس عبارت کی غلط بیانیوں کا پردہ بھی اس مضمون میں چاک کردیا۔ "سیر العلماء" کی عبارت سے، علاوہ فتوائے جہاد دینے کے اس مقدمے کے بارے میں مندرجہ ذیل اطلاعات اور ملتی تھیں۔

۱۔ مولانا خیر آبادی نے اپنی صفائی خود پیش کی تھی اور خود بحث کرکے عدالت میں اپنی براءت ثابت کردی تھی۔ اس کے لیے مولانا خود ہی اپنے اوپر چند الزامات قائم کرتے تھے۔ اور خود ہی بحث میں اُن کو تارِ عنکبوت کے مثل عقلی اور قانونی دلیلوں سے توڑ کر رکھ دیتے تھے۔

۲۔ جیوری کا ایک اسیر بھی مولانا کی رہائی کا مؤید تھا۔

۳۔ جج نے مولانا سے اُن کے عہد صدر الصدوری میں کچھ دن کام سیکھا تھا اور وہ بھی اُن کو چھوڑنا چاہتا تھا۔

۴۔ گواہ نے بھی کہہ دیا تھا کہ یہ وہ مولانا فضل حق نہیں ہیں، جو سرکار کے مجرم ہیں۔ مجرم دوسرا شخص ہے۔

۵۔ مگر دوسرے دن مولانا نے فتوائے جہاد لکھنے کے جرم کا اقبال کرلیا۔

۶۔ جج نے مولانا کو بار بار ٹوکا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، مگر مولانا بلند ہمتی اور شانِ استقلال سے اپنے اقبال پر قائم رہے۔

۷۔ اس پر عدالت نے نہایت رنج کے ساتھ ''بعبور دریائے شور'' کا حکم دے دیا۔

اتفاق سے یہ ساری اطلاعات غلط اور گمراہ کن تھیں۔ مولانا شیروانی مرحوم کی غیر ذمے داری اتنی تھی کہ انہوں نے مولانا خیر آبادی کے سوانح مرتب کرتے وقت جہاں سے جیسے روایت ملی اُس کو بغیر پرکھے اور جانچ تولے شاملِ کتاب کرلیا۔ مولانا عرشی نے تحقیق کی روشنی میں ان کی تردید کی، یہ نہایت اچھا کیا۔ لیکن نفسِ مضمون یعنی ''فتوائے جہاد'' دیے جانے کے بارے میں مولانا عرشی کی تحقیق سے کافی اختلاف کی گنجایش ہے۔

مولانا عرشی نے مولانا خیر آبادی کے ''فتوائے جہاد'' میں شامل نہ ہونے کے جو دلائل دیے ہیں وہ مندرجہ ذیل معروضات پر مبنی ہیں۔

۱۔ انگریزوں کے خلاف جہاد کا صرف وہی ایک فتویٰ لکھا گیا تھا جس کو انہوں نے ''سوتنتر دہلی'' سے اپنے مضمون میں نقل کیا ہے۔ (اگر چہ یہ بات انہوں نے واضح الفاظ میں نہیں کہی ہے)

۲۔ جس وقت دلّی میں یہ فتویٰ دیا گیا اُس وقت مولانا خیر آبادی الور میں تھے اور وہ اس فتوے کی اشاعت سے بیس روز بعد وارِدِ دلّی ہوئے۔

۳۔ مولانا آخر وقت تک اپنی بے گناہی ثابت کرنے میں لگے رہے اور اس سلسلے میں انہوں نے والیٔ رام پور نواب یوسف علی خاں بہادر مرحوم و مغفور کو تین خط بھی لکھے جس میں سے آخری خط رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے۔

مولانا عرشی نے اپنے اس محل کی بنیاد مندرجہ بالا نہایت کمزور پرتوں پر رکھی تھی۔ اس لیے بعد میں محققین نے اس کمزوری کو ظاہر اور ثابت کردیا۔

عرشی صاحب کے ان دلائل پر بحث کرنے سے پہلے اس سلسلے کے ایک دوسرے مضمون کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جناب مالک رام نے ماہ نامہ تحریک نئی دلّی بابت جون ۱۹۶۰ء میں اپنا ایک مضمون ''مولانا فضل حق خیر آبادی'' کے عنوان سے شائع کرایا تھا جو بعد میں تحریک کے بیس سالہ انتخاب نمبر بابت اگست ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا۔ [1] وہی اس وقت میرے پیش نظر ہے۔ اس مضمون میں مالک رام صاحب نے ''نیشنل آرکائیوز'' سے مولانا خیر آبادی کے مقدمے کی مثل نکلوا کر استفادہ کیا، بلکہ اس مثل کے اہم اقتباسات بھی مضمون میں نقل کیے لیکن اس شان کے ساتھ کہ مولانا عرشی نے اُن سے تین برس قبل جو نتائج اخذ کیے تھے صرف اُن کی توثیق اور تائید ہو۔

بعض حضرات کو گمان ہوگا کہ اصل فائل دستیاب ہو جانے کے بعد جو نتائج نکالے جائیں گے اُن سے اختلاف کی کیا گنجایش ہوسکتی ہے۔ لیکن راقم عرض کرتا ہے کہ اس فائل سے اُسی حد تک استدلال کیا جاسکتا ہے جس حد تک مناسب ہو۔ یعنی مقدمے کی تاریخیں اور پیشیاں، گواہان کے نام، شامل مثل کاغذات ملزم اور گواہانِ استغاثہ وصفائی کے بیانات اور عدالت کا فیصلہ وغیرہم ......اور ان شواہد کی روشنی میں ''سیر العلماء'' کے اندراجات بابت مقدمہ (مندرجہ بالا ۱ تا ۷) کی تغلیط بلاشبہہ ہو جاتی ہے۔ البتہ مولانا خیر آبادی کے ''فتوائے جہاد'' کے سلسلے میں اس مثل سے استنباطِ نتائج درست نہیں ہوسکتا۔

یہ سبھی جانتے، دیکھتے اور سنتے رہتے ہیں کہ ہماری عدالتوں میں انصاف کے حصول کا طریقہ کیا ہے۔ یہاں سب سے زیادہ اہمیت وُکلاء کی ذہانت اور موشگافیوں کی ہوتی ہے۔ یہ طریقۂ انصاف ہم کو انگریزی حکومت نے دیا ہے۔ جو پہلے ہوتا تھا وہ اب بھی ہوتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ملزم سے پولس کو کسی دیگر وجہ سے رنجش ہوئی اور اُس نے اُس کو کسی قتل کے کیس میں ماخوذ کرلیا۔ سارا مقدمہ اسی بنیاد پر چلتا ہے۔ کسی سیاسی ملزم کو ڈکیتی میں، قتل کے ملزم کو مصلحتاً قمار بازی یا اشیاے منشیات کے ناجائز کاروبار میں ماخوذ دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک بااثر وبارسوخ سیاسی لیڈر اپنے کم اثر مخالف کو کسی ایسے کیس میں ملزم بنوا دیتا ہے، جس کا جرم اُس سے سرزد نہیں ہوا۔ عدالت کو تحریری اور زبانی ثبوت چاہیے، وہ پولس فراہم کرتی ہے۔ ہر فوج داری کے مقدمے کے گواہان بڑی محنت سے تیار کیے جاتے ہیں۔ پہلے بیانات یاد کرائے جاتے ہیں۔ پھر جرح کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وکیلِ مخالف یہ پوچھے تو یہ جواب دینا، یہ سوال کرے تو یہ کہنا اور اگر گواہ کسی وجہ سے بتائی ہوئی لیک سے ہٹ جاتا ہے تو وہ پولس کا معتوب ہو جاتا ہے۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ فوج داری کے مقدمات میں بیان دینے سے پہلے ہر شخص عدالت کے حکم پر پہلے یہ حلف لیتا ہے کہ ''میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ جو کچھ کہوں گا سچ کہوں گا اور سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گا'' اور اس کے بعد جب وہ بیان دیتا ہے تو بیشتر معاملات میں جو کچھ کہتا ہے وہ ''سچ'' کے سوا ہی ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ چشم دید گواہوں کے بیانات بھی وُکلاء کی رنگ آمیزی کے سبب ''سچ'' نہیں رہتے۔ اگر گواہ کو سکھائے پڑھائے الفاظ یاد نہ رہیں یا عدالت سے مرعوب ہوکر وہ گھبرا جائے یا کوئی مصلحت ہو تو تھوڑا بہت ''سچ'' بیان میں شامل ہوسکتا ہے ورنہ نہیں اور اسی پر مقدمے کے فیصلے کی بنیاد رکھ دی جاتی ہے۔

یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ عہدِ انگلشیہ میں غیر معمولی اور ہنگامی حالات میں کبھی کبھی مقدمات کی نوعیتیں اور عدالت کے فیصلے بھی حکومت کے ایما کے منتظر رہتے تھے تاکہ ملکی انتظام کو جس طرح بھی ممکن ہو کنٹرول میں رکھا جائے خواہ اس کے لیے ناانصافی سے ہی کام لینا پڑے۔

ایسی ہی کچھ نوعیت اس مقدمے کی بھی تھی۔ گواہان کے بیانات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ

سکھائے پڑھائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ استغاثے کے پانچوں گواہوں نے ایک جیسی باتیں کہی ہیں۔ پانچ میں سے چار کا بیان ہے کہ مولانا فضل حق نے اُن کے مرتد ہونے یا واجب القتل ہونے کا فتویٰ اس لیے دیا تھا کہ وہ حکومت انگریزی کے ملازم تھے۔ بلکہ گواہ مرتضیٰ حسین اس جملے کی تشریح اپنی طرف سے کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ''مجھے مرتد اس لیے کہا گیا کہ میں حکومت (انگریزی) کا ملازم تھا۔'' اس طرح چار گواہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ وہ فضل حق کو جانتے ہیں (فوج داری مقدمات کی یہ بڑی ضروری لفظیات سے ہے) اسی طرح مولوی احمد اللہ کی جائیداد کی ضبطی کے لیے مولانا فضل حق کا جانا بھی ان بیانات میں مشترک ہے۔

ان بیانات میں ایک بات اور مشترک ہے کہ ''مولانا فضل حق خیر آبادی نے کوئی فتویٰ نہیں دیا'' ایک گواہ یہ بھی کہتا ہے کہ انہوں نے اُن کے قتل کا یا مرتد ہونے کا فتوی دیا۔ تو گویا جس فتوے کے دیے جانے سے انکار کیا جا رہا ہے ''وہ فتوائے جہاد'' ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر گواہوں کو اس پر زور دینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ فردِ جرم پہلے ہی قائم ہو جاتی ہے۔ گواہ واقعات بونڈی کے ہیں۔ ''فتوائے جہاد'' کا صدور دتی میں ہوا۔ پھر اس بے وقت راگنی کی ضرورت کیوں پیش آ رہی تھی؟ اس سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت مولانا کو قصداً اس شرف سے محروم رکھنا چاہتی تھی تا کہ مجاہدین کی ہمدردیاں اُن کے ساتھ کم ہو جائیں۔

قصہ مختصر یہ کہ دوسرے مقدمات کی طرح اس مقدمے کی بھی ایک موضوعی کہانی تھی۔ جس کا اصلی واقعات سے کوئی تعلق محتاجِ ثبوت ہے۔ ہاں فرد جرم کیا تھی؟ کون گواہانِ استغاثہ، کون گواہانِ صفائی اور کون وُکلاء تھے یہ معلوم ہو گیا۔ کس تاریخ کو کیا کیا ہوا۔ کس کس نے کیا کیا بیان دیا۔ یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ ان بیانات کی کمک پر فاضل جج نے کیا فیصلہ دیا یہ بھی معلوم ہو گیا۔ طرفین نے کیا کیا درخواستیں گزاریں یا عذر کیے یہ بھی پتہ چل جاتا ہے۔ مگر حقیقتِ حال کیا تھی وہ ہمیں کیا فاضل جج کو بھی معلوم نہیں ہو گی اور آج بھی نہیں معلوم ہوتی ہے۔ ہم شب و روز دیکھتے اور سنتے ہیں کہ کتنے قاتل، ڈکیت، زانی، اسمگلر، چور اور گرہ کٹ وُکلاء کی موشگافیوں اور ذہانت کے سبب بے داغ اور با عزت بری ہو جاتے ہیں اور مظلوم، بیکس اور بے گناہ سزایاب ہوتے ہیں۔ کیا ان مقدموں کی مثلوں سے ہم حقیقتِ حال کا پتہ لا سکتے ہیں کہ ان میں سے کون واقعی اور کس طرح کا مجرم تھا اور کون بے گناہ تھا۔ جواب ہوگا کہ ہرگز نہیں۔ پس یہی حال اس مقدمے کی مثل کا ہے۔ اس سے زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ ''سیر العلماء'' کی عبارت آرائی بے اصل ہے اور اس کو مولانا عرشی پہلے ہی ثابت کر چکے ہیں۔ مالک رام صاحب نے اتنی محنت کے بعد اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا ہے۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ انہوں نے اس فائل سے وہی اقتباسات نقل کیے ہیں جن سے اُن کا مدعا ثابت ہوتا تھا۔ بہت سی ضروری باتوں کو چھوڑ دیا ہے مثلاً فاضل جج کے فیصلے میں دتی میں مولانا کی باغیانہ سرگرمیوں کے بارے میں دتی کے کمشنر کی رپورٹ کا ذکر ہے۔ مالک رام صاحب نے اُس

رپورٹ کو شامل مضمون نہیں کیا۔ شاید اسی خوف سے کہ اس سے اُن کے مدّعا پر آنچ آتی تھی۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اگر کسی شخص پر کسی جرم کی پاداش میں کورٹ میں مقدمہ نہ چلے تو اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ اُس سے اُس جرم کا ارتکاب ہی نہیں ہوا۔ اگر مولانا فضل حق کے خلاف فتواے جہاد دیے جانے کے جرم میں کوئی مقدمہ قائم نہیں ہوا تو اُس سے اُن کے فتویٰ نہ دیے جانے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

یہ ایک ضمنی بات تھی جو زیادہ طویل ہوگئی مگر بات کو صاف کرنے کے لیے یہ طوالت ناگزیر تھی۔ اب مولانا عرشی کی قائم کردہ دلیلوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

مولانا عرشی نے اپنے مضمون میں جو فتویٰ نقل کیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہے۔

''کیا فرماتے ہیں علماے دین اس امر میں کہ اب جو انگریز دلّی پر چڑھ آئے اور اہلِ اسلام کی جان و مال کا ارادہ رکھتے ہیں اس صورت میں اب شہر والوں پر جہاد فرض ہے یا نہیں۔ اگر فرض ہے تو وہ فرضِ عین ہے یا نہیں؟ اور لوگ جو شہروں اور بستیوں کے رہنے والے ہیں ان کو بھی جہاد چاہیے یا نہیں؟ بیان کرو اللہ تم کو جزاے خیر دے۔

جواب: درصورت مرقومہ فرضِ عین ہے اوپر تمام شہر کے لوگوں کے اور استطاعت ضرور ہے اس کی فرضیت کے واسطے۔ چنانچہ اب اس شہر والوں کو طاقت مقابلے اور لڑائی کی ہے بسبب کثرتِ اجتماعِ افواج کے اور مہیا اور موجود ہونے آلاتِ حرب کے تو فرضِ عین ہونے میں کیا شک رہا۔ اور اطراف و حوالی کے لوگوں پر جو دور ہیں باوجود خبر کے فرضِ کفایہ ہے۔ ہاں اگر اس شہر کے لوگ باہر ہو جائیں مقابلے سے یا سُستی کریں اور مقابلہ نہ کریں تو اس صورت میں اُن پر بھی فرض ہو جائے گا اور اسی طرح اسی ترتیب سے سارے اہلِ زمین پر شرقاً اور غرباً فرضِ عین ہوگا اور جو عدوان بستیوں پر ہجوم اور قتل اور غارت کا ارادہ کریں تو اسی بستی والوں پر بھی فرض ہو جائے گا بشرط اُن کی طاقت کے۔

العبدالمجیب احقر نور جمال عفی عنہ

اس جواب کے نیچے حسب ذیل ۳۳ر علما کے دستخط ہیں۔

(۱) محترم نذیر حسین (۲) رحمت اللہ (۳) مفتی صدرالدین (۴) منشی اکرام الدین معروف سید رحمت علی (۵) محمد ضیاء الدین (۶) عبدالقادر (۷) احمد سعید احمدی (۸) محمد میر خاں (یامیر محمد خاں) (۹) محمد عبدالکریم (۱۰) سکندر علی (۱۱) محمد کریم اللہ (۱۲) مولوی عبدالغنی (۱۳) محمد علی (۱۴) فریدالدین (۱۵) محمد سرفراز علی (۱۶) سید محبوب علی جعفری (۱۷) محمد حامی الدین (۱۸) سید احمد علی (۱۹) الٰہی بخش (۲۰) محمد مصطفیٰ خاں ولد حیدر شاہ نقش بندی (۲۱) محمد انصار علی (۲۲) مولوی سعید الدین (۲۳) حفیظ اللہ

خاں (۲۴) محمد نورالحق (۲۵) سراج العلما ضیاء الفقہا مفتی عدالت العالیہ محمد رحمت علی صاحب (۲۶) اللہ الغنی واتم الفقراء (۲۷) حیدر علی (۲۸) سیف الرحمٰن (۲۹) سید عبدالحمید (۳۰) محمد ہاشم (۳۱) سید محمد (یا حافظ کو مربع لکھ کر بیچ میں نام لکھا ہے) (۳۲) محمد امداد علی (۳۳) خادم شرع شریف رسول الثقلین قاضی القضات محمد علی حسینی" (ماہ نامہ "نیا دور" بابت جنوری فروری ۱۹۸۱ء جلد ۳۵ نمبر ۱۰۔ ۱۱، صفحہ ۶۔۷، مضمون "کیا مولانا فضل حق خیر آبادی کا ۱۸۵۷ء کے فتوائے جہاد سے تعلق تھا"؟ از مولانا امتیاز علی عرشی)

اگرچہ عرشی صاحب نے یہ نہیں لکھا ہے کہ اس فتوے پر دستخط کرنے والوں میں مولانا فضل حق خیر آبادی نہیں ہیں اس لیے اُن کا فتوائے جہاد سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر ایک عام قاری اس کو پڑھ کر اور اس میں علامہ خیر آبادی کا نام نہ دیکھ کر یہی نتیجہ نکالتا ہے کہ واقعی ۱۸۵۷ء کے فتوائے جہاد سے مولانا خیر آبادی کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اسی وجہ سے اتنی بڑی تعداد میں (۳۳) اسما کو نقل کیا گیا، ورنہ ان کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔

مولانا عرشی کا پہلا معروضہ یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء میں دلّی میں جہاد سے متعلق صرف یہی ایک فتویٰ دیا گیا تھا، جس کو انہوں نے اپنے مضمون میں نقل کیا ہے۔ اگرچہ اس بات کی صراحت انہوں نے واضح الفاظ میں نہیں کی ہے مگر چونکہ اس ایک فتوے پر مولانا خیر آبادی کے دستخط نہ موجود ہونے کے سبب انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ مولانا فضل حق خیر آبادی کا ۱۸۵۷ء کے فتوائے جہاد سے کوئی تعلق نہیں تھا (اگر وہ یہ مانتے کہ اس کے علاوہ بھی کوئی فتویٰ دیا گیا ہے تو وہ اس تنہا فتوے سے یہ استدلال نہ کرتے) اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ عرشی صاحب کی رائے میں صرف یہی ایک فتوائے جہاد جاری ہوا۔ لہٰذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عرشی کے اس مفروضے کو حقائق کی کسوٹی پر کسا جائے۔

ماضی کی کتنی تحریریں، کتنی یادداشتیں، کتنی دستاویزیں دست بُردِ زمانہ سے ضائع ہو گئیں یا ابھی تک ظاہر نہیں ہوئی ہیں اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ عقل تسلیم کرتی ہے کہ جب دلّی میں ہر طرف "جہاد جہاد" کا چرچا تھا تو صرف ایک ہی فتویٰ جاری نہ ہوا ہوگا۔ ثبوت کی عدم دستیابی کے سبب کسی خاص فتوے کی تو نشان دہی نہیں کی جاسکتی البتہ اس موقع پر ہم یہ جائزہ لیتے ہیں کہ "باغیِ ہندوستان" میں جس فتوے کا ذکر ہے کیا وہ وہی فتویٰ ہے، جس کو مولانا عرشی نے اپنے مضمون میں نقل کیا ہے۔

مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی تاریخ ذکاء اللہ کے حوالے سے رقم طراز ہیں۔

"علامہ سے جنرل بخت خاں ملنے پہنچے۔ مشورے کے بعد علامہ نے آخری تیر ترکش سے نکالا۔ بعد نمازِ جمعہ جامع مسجد میں علما کے سامنے تقریر کی، استفتا پیش کیا۔ مفتی صدرالدین خاں آزردہ صدالصدور دہلی، مولوی عبدالقادر، قاضی فیض اللہ دہلوی، مولانا فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبر آبادی، سید مبارک شاہ رام پوری نے دستخط کر دیے۔ اس فتوے کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔ دلّی

میں نوے ہزار سپاہ جمع ہوگئی تھی۔'' ۳

مولوی ذکاء اللہ کی ''تاریخ عروجِ سلطنت انگلشیہ'' سے مولانا عرشی نے بھی اس فتوے کے بارے میں یہ عبارت نقل کی ہے۔

''مگر جب بخت خاں جس کا نام اہلِ شہر نے کمبخت خاں رکھا تھا دلی میں آیا تو اُس نے یہ فتویٰ لکھایا کہ مسلمانوں پر جہاد اس لیے فرض ہے کہ اگر کافروں کی فتح ہوگی تو وہ اُن کے بیوی بچوں کو قتل کر ڈالیں گے۔ اُس نے جامع مسجد میں مولویوں کو جمع کر کے جہاد کے فتوے پر دستخط و مہریں اُن کی کرائیں اور مفتی صدرالدین نے بھی اُن کے جبر سے اپنی جعلی مہر کردی۔ لیکن مولوی محبوب علی اور خواجہ ضیاء الدین نے فتوے پر مہریں نہیں کیں اور بے باکانہ کہہ دیا کہ شرائطِ جہاد موافق مذہب اسلام موجود نہیں'' ۴

ان دو بیانات کی روشنی میں اُس فتوے کا جائزہ لیا جائے، جس کو مولانا عرشی نے اپنے مضمون میں نقل کیا ہے۔ مولانا عرشی کے منقولہ فتوے میں مستفتی کا نام نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہوتا کہ یہی وہ فتویٰ ہے جو جنرل بخت خاں نے حاصل کیا تھا یا کوئی دوسرا۔ فتوے پر مجیب کے علاوہ ۳۳ر حضرات کے دستخط ہیں۔ جن میں سے ''باغیِ ہندوستان'' کی روایت کے مطابق قاضی فیض اللہ دہلوی، مولانا فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی اور سید مبارک شاہ رام پوری کے دستخط اس پر نہیں ہیں۔ ان میں سے صرف مولانا عبدالقادر کے دستخط ہیں اور مولوی ذکاء اللہ نے جن دو عالموں کے دستخط کرنے سے انکار کا تذکرہ کیا ہے اُن میں سے پانچویں نمبر پر مولوی ضیاء الدین اور سولھویں نمبر پر سید محبوب علی جعفری کے دستخط موجود ہیں۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ مولانا عرشی کا منقولہ فتویٰ وہ نہیں ہے جو جنرل بخت خاں نے حاصل کیا تھا اور جس کا ذکر ''باغیِ ہندوستان'' اور ''تاریخ عروجِ سلطنت انگلشیہ'' از ذکاء اللہ میں ہوا ہے۔ اس سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ فتویٰ جنرل بخت خاں کا حاصل کردہ نہیں ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ دلی میں صرف ایک ہی ''فتوائے جہاد'' جاری نہیں ہوا تھا۔ اس لیے مولانا عرشی کا پہلا مفروضہ یہیں غلط ثابت ہو جاتا ہے۔

عبارت یا سبق میں اُس فتوے کے بارے میں جو جنرل بخت خاں نے حاصل کیا تھا ان الفاظ کا ذکر بھی ملتا ہے۔

''مسلمانوں پر جہاد اس لیے فرض ہے کہ اگر کافروں کی فتح ہوگی تو وہ اُن کے بیوی بچوں کو قتل کر ڈالیں گے۔''

لیکن مولانا عرشی کے منقولہ فتوے میں نہ یہ الفاظ ہیں نہ ایسا مفہوم رکھنے والے دوسرے الفاظ البتہ یہ الفاظ مولانا فضل حق خیر آبادی کے خیالات کے ترجمان ہیں۔ انہوں نے بہادر شاہ ظفر کو متنبہ کرتے ہوئے ایک بار کہا تھا۔

''اگر انگریز جیت گئے تو نہ صرف خاندانِ تیمور یہ بلکہ سب مسلمان نیست و نابود کر دیے جائیں۔'' ۵

مولانا عرشی نے اپنے مضمون میں مولوی ذکاء اللہ کے حوالے سے لکھا ہے۔

''جب تک دہلی میں بخت خاں نہیں آیا جہاد کے فتوے کا چرچا شہر میں بہت کم تھا۔ مساجد میں منبروں پر جہاد کا وعظ کمتر ہوتا تھا'' ۶

اس بیان پر حکیم سید محمود احمد برکاتی تبصرہ فرماتے ہیں۔

''گویا بخت خاں سے پہلے شہر میں جہاد کے فتوے کا چرچا تھا مگر بہت کم تھا۔ سوال یہ ہے کہ وہ کون سا فتوئی تھا جس کا چرچا (بہت کم ہی سہی) مگر تھا؟ ''جب لوگ جہاد جہاد پکارتے تھے'' اور مساجد میں منبروں پر جہاد کا وعظ (کمتر ہی سہی) ہوتا تھا تو اسی بنیاد پر ہوتا ہوگا نا کہ جہاد کی فرضیت کا فتوئی ہو چکا تھا؟'' ۷

لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایامِ غدر میں وجوبِ جہاد کا صرف وہی ایک فتوئی نہیں دیا گیا جس کو مولانا عرشی نے اپنے خیال کی سند بنایا ہے اور یہ فتوئی وہ یقیناً نہیں ہے جو بخت خاں نے حاصل کیا تھا۔ اس فتوے پر مولانا ضیاء الدین اور سید محبوب علی کے دستخط دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ فتوئی جنرل بخت خاں کے حاصل کردہ فتوے کے بعد جاری ہوا۔ بعد میں شاید یہ دونوں عالم اس کے لیے تیار ہو گئے ہوں۔ یہ فرق ایک دن سے ایک عشرے تک کا ہو سکتا ہے۔

مولانا عرشی کا دوسرا مفروضہ یہ ہے کہ فتوائے جہاد کے اجرا کے وقت مولانا خیر آبادی الور میں تھے اور وہ اس کے جاری ہونے کے تقریباً بیس دن بعد دلی میں وارد ہوئے۔

مطبوعہ فتوے پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے۔ مولانا عرشی مولوی ذکاء اللہ کی تاریخ کے حوالے سے اطلاع دیتے ہیں کہ بخت خاں دلی میں جولائی کے اوائل میں آیا (نیا دور شمارہ مذکورہ ص ۶) اس لیے اس نے فتوئی بھی اُس کے بعد ہی حاصل کیا ہوگا۔ دوسری طرف مولانا عرشی نے جس فتوے کو زیرِ نظر مضمون کا جزو بنایا ہے وہ چونکہ ۲۶ / جولائی ۱۸۵۷ء کو دلی کے اخبار الظفر یا صادق الاخبار یا دونوں میں ایک ساتھ چھپا۔ اس لیے یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ یہ فتوئی اس تاریخ سے پہلے صادر ہو چکا تھا۔ مولانا عرشی نے ''باغی ہندوستان'' کے ایک اندراج سے جو منشی جیون لال کے روز نامچے سے نقل ہوا تھا یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مولانا فضل حق ۱۶ / اگست کو وارد دہلی ہوئے۔ منشی جیون لال کے الفاظ یہ ہیں۔

''۱۶ / اگست ۱۸۵۷ء

''مولوی فضل حق شریک دربار ہوئے۔ انہوں نے اشرفی نذر میں پیش کی اور صورتِ حالات کے متعلق بادشاہ سے گفتگو کی۔'' (بحوالہ باغی ہندوستان طبع سوم ۱۴۰)

اور مولانا فضل حق خیر آبادی نے مقدمے کی صفائی میں یہ بیان دیا تھا۔

''میں راجا الور کے یہاں ملازم تھا اور بغاوت شروع ہونے کے زمانے میں اُسی کے پاس تھا۔ راجا بنے سنگھ کی وفات کے بعد ایک مہینے تک میں الور میں رہا۔ میں اگست ۱۸۵۷ء میں الور سے روانہ ہوا اور دہلی آیا۔ وہاں مَیں پندرہ روز رہا پھر الور واپس چلا گیا۔'' (ماہنامہ ''تحریک'' دلّی بیس سالہ انتخاب نمبر ص ۱۳۵)

لیکن مولانا کا یہ بیان بھی آنکھیں بند کر کے قبول کرنے کے قابل نہیں ہے۔ مقدماتِ فوج داری میں فریقین یعنی استغاثہ اور صفائی اپنے بیانات میں جی بھر کر جھوٹ بولتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ مستغیث کی جانب سے ملزم کو پھنسانے کے لیے جھوٹ بولا جاتا ہے اور ملزم کی طرف سے حصولِ نجات کے لیے۔ چشم دید گواہان بھی اگر ہوں تو اُن کے آنکھوں دیکھے واقعات کو وُکلاء قانونی رنگ میں پیش کراتے ہیں۔ بلکہ بیشتر تو چشم دید گواہ ہوتے ہی نہیں۔ جو پیش کیے جاتے ہیں وہ مصنوعی ہوتے ہیں اور اُن کو ظاہر چشم دید کیا جاتا ہے۔ اس لیے ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ مولانا خیر آبادی بھی اپنی نجات کے لیے صفائی دے رہے تھے۔ اس کے برعکس ان کا جولائی میں دلّی میں ہونا ثابت ہوتا ہے (جس کا ذکر آگے آئے گا) پھر اس میں چند قباحتیں ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ راجا بنے سنگھ کی وفات کے بعد مولانا ایک ماہ تک الور میں کیا کرتے رہے؟ ان ہنگامی حالات میں شہر دلّی میں اُن کی بیوی امراؤ بیگم اور دو بیٹے شمس الحق اور علاء الحق موجود تھے اور وہاں قیامتِ صغریٰ برپا تھی۔ کیا وہ بال بچوں سے بے نیاز ہو گئے تھے؟ کیا عید الاضحیٰ جیسے مقدس تہوار (یکم اگست ۱۸۵۷ء) پر بھی اُن کو اپنے اہل و عیال یاد نہیں آئے۔ علاوہ ازیں جب کہ راجا بنے سنگھ کی وفات ۱۵؍ جولائی ۱۸۵۷ء کو ہونا ثابت ہے (''تحریک'' ۲۰؍ سالہ انتخاب نمبر ص ۱۳۶) تو اس کے ایک ماہ بعد ۱۵؍ اگست کو الور سے چل کر ۱۶؍ اگست کو کس طرح دلّی پہنچ گئے جب کہ یہ مسافت اسّی ۸۰ میل ہے اور اُس زمانے کے ذرائع کے مطابق کم از کم چار دن کا سفر تھا؟ غرض کہ یہ بیان ہرگز ہرگز قابلِ اعتنا نہیں ہے۔ یہ اُن کے وکیل کا سکھایا ہوا مصلحت پر مبنی بیان ہے۔ مولانا نے اس بیان میں یہ بھی کہا ہے کہ وہ پندرہ دن دلّی میں رہ کر واپس چلے گئے۔ اس طرح اُن کو اگست میں دلّی کو خیر باد کہہ دینا چاہیے تھا۔ لیکن ''الثورۃ الہندیہ'' کی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں کا دلّی پر پورا قبضہ ہو جانے کے پانچ دن بعد انہوں نے دلّی کو چھوڑا (باغیٔ ہندوستان طبع سوم ص ۲۶۷) یعنی اس بیان کے مطابق انہوں نے ۲۴؍ ستمبر کو دلّی کو چھوڑا (کیونکہ دلّی پر انگریزوں کا مکمل قبضہ ۱۹؍ ستمبر کو ہوا تھا) یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مولانا کے کس بیان کو باور کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ الثورۃ الہندیہ کے اندراجات مبنی بر مصلحت نہ ہونے کے سبب زیادہ وقیع ہیں اور جیون لال کے روزنامچے سے بھی ۱۶؍ اگست تا ۷؍ ستمبر ان کا دلّی میں موجود ہونا اور چار بار بادشاہ کے روبرو حاضر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (باغیٔ ہندوستان طبع سوم ص ۱۴۰، ۱۴۱) اس لیے اس کے مقابلے میں کورٹ میں دیے گئے بیان کو خلافِ واقعہ تسلیم کرنا ہوگا۔

مولانا کے پندرہ دن دلی میں ٹھہر کر ۲۴ر ستمبر کو وہاں سے روانہ ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ۹ر ستمبر کو دلی پہنچے ہوں گے۔ یہ بات بھی سمجھ میں آنے والی نہیں کہ الور سے پندرہ اگست کو چل کر آدمی پچیس، چھبیس دن میں دلی پہنچے جس کی مسافت ۸۰ر میل ہے۔ مالک رام صاحب خود بھی اس بیان سے مطمئن نہیں ہیں جو انہوں نے کورٹ میں دیا۔ وہ لکھتے ہیں۔

''میرا اپنا خیال یہ ہے کہ عدالت میں جو کچھ انہوں نے کہا یہ غالباً ٹھیک نہیں''

(''تحریک'' شمارہ مذکور ص ۱۳۷)

مالک رام صاحب کیا اس کو کوئی ذی فہم درست تسلیم نہیں کرے گا۔ یہ نکتہ بھی ذہن میں رہنا ضروری ہے کہ تحقیق میں عدالت میں دیے گئے بیان کو سچ تسلیم کرنے کی بھی گنجائش بہت کم ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ مولانا عرشی کے سامنے مولانا خیر آبادی کا کورٹ میں دیا ہوا بیان نہیں تھا اس لیے اب یہ غور کرنا چاہیے کہ انہوں نے منشی جیون لال کے الفاظ سے صحیح نتیجہ نکالا ہے یا نہیں۔ مولانا خیر آبادی کا ۱۶ر اگست کو شریکِ دربار ہونا اس بات کا حتمی ثبوت نہیں ہوسکتا کہ وہ اسی روز الور سے آئے تھے۔ اس بارے میں حکیم سید محمود احمد برکاتی رقم طراز ہیں۔

'' یہ کیا ضروری ہے کہ مولانا جب بھی دربار میں آئے ہوں جیون لال ضرور لکھے۔ مثلاً ۱۹ر اگست کو بھی عبدالطیف کے بیان کے مطابق مولانا بادشاہ سے ملے تھے (غدر کا تاریخی روز نامچہ از خلیق احمد نظامی) مگر جیون لال کا روز نامچہ خالی ہے۔ اگر جیون لال کے ان الفاظ سے کہ ''مولوی فضل حق شریکِ دربار ہوئے اور انہوں نے ایک اشرفی نذر کی'' یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ یہ پہلی بار شریک دربار ہونے کا ثبوت ہے تو جیون لال نے ۱۰ر اگست کے روز نامچے میں جو یہ لکھا ہے کہ ''حکیم احسن اللہ شریک دربار ہوئے اور ایک اشرفی پیش کی'' (۲۱۳) تو کیا اس کا یہ مطلب ہوا کہ حکیم صاحب بھی پہلی بار کہیں سے دہلی ۱۰ر اگست ۱۸۵۷ء کو آئے تھے اور پہلی بار شریکِ دربار ہوئے تھے۔'' (فضل حق اور سن ستاون ص ۷۵ و ۷۶)

سچ یہ ہے کہ مولانا عرشی کے استدلال کا یہ طریقہ کچھ زیادہ وقیع نہیں ہے۔ کیونکہ ماہِ جولائی میں ہی مولانا کی دلی میں موجودگی کے بارے میں ایک ثبوت موجود ہے۔ حکیم برکاتی نے مولوی ذکاء اللہ کا یہ بیان ان کی تاریخ سے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

''انھوں (مولانا فضل حق) نے بادشاہ (بہادر شاہ) کے لیے ایک دستور العمل سلطنت لکھا تھا، جس کی ایک دفعہ یہ مشہور ہوئی تھی کہ گائے کہیں بادشاہی عمل داری میں ذبح نہ ہو'' (ایضاً ص ۷۷)

مولوی ذکاء اللہ کا ہی اس بارے میں دوسرا بیان ہے۔

''۹ر جولائی ۱۸۵۷ء کو اوّل حکم بادشاہ کا صادر ہوا وہ یہ تھا کہ گائے کہیں ذبح نہیں کی جائے گی۔ ۹ر

جولائی کو ڈھنڈورا پٹوایا کہ جو گائے ذبح کروائے گا وہ توپ کے منہ سے اُڑایا جائے گا۔" (فضل حق اور سن ستاون ص ۷۷، ۷۸)

یہ عیدِ قربان کی انتظامی پیش رفت تھی۔ مولانا خیر آبادی کو یہ دستور بنانے میں یقیناً کچھ وقت لگا ہوگا وہ بیچ بیچ میں بادشاہ سے مشورے بھی کرتے رہے ہوں گے۔ اس لیے مولانا کا ۹ر جولائی سے پہلے ہی دلّی میں موجود ہونا قرین قیاس ہے۔ دوسری طرف عیدِ قربان (یکم اگست) کو بھی ان کا دلّی سے باہر ہونا ذہن قبول نہیں کرتا۔ عید ہر شخص اپنے اہل و عیال میں ہی مناتا ہے۔ اس کے انتظامات مثلاً جانور کی خریداری، کپڑوں کی تیاری اور مکان کی صفائی جیسے کاموں کے لیے بھی انہیں کم از کم ہفتہ عشرہ پہلے دلّی میں موجود ہونا چاہیے۔ اغلب یہ ہے کہ اس درمیان وہ الور کو گئے ہی نہ ہوں یا ایک دو روز کے لیے چلے گئے ہوں۔ کیونکہ دلّی سے الور کے اسّی ۸۰ میل کے فاصلے کے لیے کم از کم چار دن آنے کے اور چار دن جانے کے لیے درکار ہوتے ہیں۔ ان سب امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کا ۱۹ر اگست کو پہلی بار دلّی آنا عقل تسلیم نہیں کرتی۔

حکیم برکاتی صاحب ڈاکٹر سید معین الحق کی انگریزی تصنیف THE GREAT REVOLUTION OF 1857 کے حوالے سے سید مبارک شاہ (جو دورانِ غدر دلّی کا کوتوال رہا تھا) کا بیان نقل فرماتے ہیں کہ

"شاہ نے (۱) جنرل بخت خاں (۲) مولوی سرفراز علی اور (۳) مولوی فضل حق پر مشتمل ایک کنگ کونسل تشکیل دی تھی۔ مبارک شاہ ہی نے ایک جگہ اس کو پریوی کونسل بھی لکھا ہے" (ایضاً ص ۵۲)

اس کونسل کی تشکیل کے بعد مولانا فضل حق اور جنرل بخت خاں کے اکثر صلاح و مشورے ہوتے رہے ہوں گے۔ مولانا فضل حق کا ۹ر جولائی سے پہلے سے دلّی میں موجود ہونا ثابت ہے۔ جنرل بخت خاں کا جولائی کے اوائل میں دلّی میں آنا عرشی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس ماہ میں ۱۰، ۱۷، ۲۴، اور ۳۱ تاریخوں کو یومِ مقدمہ جمعہ پڑا تھا۔ امکان یہی ہے کہ ان چار دنوں میں سے ۱۰ یا ۱۷ر جولائی کو جنرل بخت خاں نے مولانا سے فتوے پر دستخط کرا لیے ہوں گے اور جب کنگ کونسل میں شمولیت کے سبب دونوں میں قربت تھی تو یہ کس طرح سے ممکن ہے کہ بخت خاں فتوے پر دوسرے علما سے تو دستخط کراتا مگر مولانا خیر آبادی سے نہ کراتا۔ مولانا کے دستخط کرنے سے انکار کا کوئی ثبوت کہیں نہیں ہے (یہ الگ بات ہے کہ وہ فتویٰ کہیں دستیاب نہیں ہوا ہے) اور وہ انکار کرتے بھی کیوں؟ جب کہ اُن کی مجاہدانہ سرگرمیاں اظہر من الشمس ہیں۔ جو اس بات میں زیادہ معلومات کے خواہاں ہیں وہ سید محمود احمد برکاتی کی کتاب "فضل حق اور سن ستاون" ملاحظہ فرمائیں، جس میں انہوں نے مدلل تحریر فرمایا ہے کہ مولانا نے بہادر شاہ کو انگریزوں سے مقابلے کے لیے مفید مشورے دیے، ہندو مسلم اتحاد کی سعی میں پیش پیش رہے، ترغیبِ جہاد کے لیے وعظ

کیے، سپاہ کو ترغیب جہاد دی، باغی فوج کی کمان کی اور یہاں تک کہ حکیم برکاتی صاحب نے فوجوں کو لڑانے تک کی نشان دہی کی ہے۔

مولانا عرشی کی تیسری دلیل یہ ہے کہ وہ برابر اپنی بے گناہی ثابت کرنے میں لگے رہے۔ چنانچہ اس سلسلے کے تین خطوط میں سے جو والیٔ رام پور نواب یوسف علی خاں مرحوم کو لکھے گئے تھے ایک رضا لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس میں انہوں نے خود کو ہر طرح بے قصور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ مولانا فضل حق از اوّل تا آخر اپنی بے گناہی ثابت کرنے میں لگے رہے۔ وہی کیا ہر مجرم یہی کرتا ہے۔ ۹۹ رفی صد قاتل اور وہ بھی جو موقع پر گرفتار کر لیے گئے ہوں اپنے کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔ اقبالِ جرم ایک فی صد سے بھی کم ہوتا ہے اور انسانی نفسیات بھی یہی ہے کہ سزا کسی کو اچھی نہیں لگتی۔ اگر مولانا نے بھی یہ کیا تو یہ اُن کی باغیانہ سرگرمیوں کے منافی نہیں کہا جاسکتا۔ بہادر شاہ ظفر نے بھی یہی کیا۔ خاں بہادر خاں شہید نے بھی ایسا ہی کیا اور انہیں پر کیا موقوف ہے نہ جانے کتنوں نے یہ طریقہ اختیار کیا اور اپنی جان چھڑائی۔ کالی داس گپتا رضا لکھتے ہیں۔

''مقدمے اور ما بعد کے رویّے سے قطع نظر جو میرے خیال میں مولانا نے اپنی جان بچانے اور رہائی حاصل کرنے کے لیے اختیار کیا وہ جنگِ آزادی سے پوری طور پر متاثر تھے۔''[۸]

اس باب میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مولانا نے بعد میں جو رویّہ اختیار کیا وہ ان کی عالمانہ اور مجاہدانہ شان کے سراسر خلاف تھا۔ بے شک ایسا کہنا درست ہے مگر کیا کیا جائے یہ انسانی فطرت ہے اور مولانا بھی انسان تھے۔

مولانا عرشی نے نواب یوسف علی خاں کے نام جس عرضی کا ذکر کیا ہے اگر وہ عرضی واقعی مولانا فضل حق خیر آبادی کی لکھی ہوئی ہو تب بھی اُس کو رہائی کی کوشش سے زیادہ درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ اس عرضی سے زیادہ اظہارِ براءت جرم تو مقدمے کی مثل کے کاغذات سے ہوتا ہے جو مضمون لکھتے وقت مولانا عرشی کے سامنے نہیں تھے۔ لیکن لطف یہ ہے کہ ابھی تک یہ ثابت نہیں ہوا کہ وہ عرضی مولانا خیر آبادی کی نوشتہ ہے یا اُن کے ایماء سے لکھی گئی ہے۔ جب اس عرضی کا زیادہ چرچا ہوا تو مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی مرحوم نے رام پور آکر خود اس عرضی کو دیکھا۔ اُن کا بیان ہے کہ وہ عرضی مولانا خیر آبادی کے خط (تحریر) میں نہیں ہے۔ اور نہ اُس پر اُن کے دستخط ہیں۔ عرضی کے آخر میں صرف اُن کی مہر لگی ہوئی ہے۔ یہ بیان انہوں نے روز نامہ دعوت دلّی بابت ۲۸ر فروری ۱۹۸۲ء میں شائع ہونے والے ایک مراسلے میں دیا تھا۔ اخبار اس وقت میرے پیش نظر نہیں ہے۔

مولانا عرشی کی اطلاع کے مطابق یہ عرضی ۱۸ر فروری ۱۸۵۸ء کی نوشتہ ہے یعنی حکم سزا سے دو روز قبل کی۔ اس وقت وہ حوالات میں تھے اس لیے اُن کے پاس مہر ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ انگریزی

حکومت کی قید و بند میں باغیوں کے ساتھ نہایت سخت برتاؤ کیا جاتا تھا۔ دوسرے ایسی حالت میں یہ عرضی اُن کی ہی تحریر میں ہونی چاہیے تھی۔ اُس وقت اُن کی خدمت میں منشی یا محرّر کہاں موجود تھے جو وہ ان سے لکھا لیتے اور اگر کسی دوسرے سے لکھا بھی لیتے تو بھلا دستخط کیوں نہ کرتے؟

اس درخواست کے بغور مطالعے کے بعد عرشی صاحب نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بقول مولانا خیر آبادی کورٹ میں اُن پر مندرجہ ذیل تین الزام عائد کیے گئے تھے۔

''(۱) نواب خان بہادر خاں نبیرۂ حافظ رحمت خاں بہادر نے جب انگریزوں کے خلاف بریلی میں بغاوت کی تو مولانا نے اُن کا ساتھ دیا اور اُن کی طرف سے نظامت پیلی بھیت کا کام انجام دیا۔

(۲) جب انگریزوں نے بریلی فتح کرلی تو مولانا یہاں سے بھاگ کر اودھ پہنچے اور خان علی خان کی طرف سے ریاست محمدی کے چکلہ دار مقرر ہوئے۔

(۳) مولانا نے اس کے ایک باغی لشکر کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی۔''

(''نیا دور'' لکھنؤ شمارہ مذکور ص ۹)

مالک رام صاحب نے مولانا کے مقدمے کی مثل کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اُن کی فردِ جرم کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

''اوّل۔ پوری بغاوت کے دوران میں بالعموم لوگوں کو بھڑکانا۔

دوم۔ ۱۸۵۸ء میں بالخصوص اودھ میں بغاوت پر اُکسانا''۔ (تحریک ۲۰ رسالہ انتخاب نمبر ص ۱۴۰)

ان دونوں میں سے مالک رام صاحب کی فردِ جرم صحیح ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس کو مقدمے کی مثل سے حاصل کیا ہے لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ دونوں فردوں میں کوئی ایک نکتہ بھی مشترک نہیں ہے۔ کیا مولانا خیر آبادی اس بات سے بھی واقف نہ تھے کہ اُن پر کیا کیا الزام لگائے گئے ہیں؟ جب رضا لائبریری میں محفوظ عرضی مولانا کی تحریر میں اور اُن کی دستخطی بھی نہیں ہے اور اُس میں درج فردِ جرم بھی خلافِ حقیقت ہے تو اس کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ اُن کے کسی ہمدرد نے جو حالاتِ مقدمہ سے بھی بخوبی واقف نہ تھا اور مولانا کی مہر اس کی دسترس میں تھی اُن کی جانب سے یہ عرضی بلکہ اس سے پہلی دونوں عرضیاں جو تلف ہوگئیں اور جن کا صرف ذکر اس عرضی میں موجود ہے لکھ کر نواب یوسف علی خاں کو ارسال کردیں کہ شاید نواب صاحب کو کچھ رحم آجائے اور وہ کوشش سفارش کردیں تو مولانا کو اس مصیبت سے نجات ملے۔

مولانا خیر آبادی اگر کسی سفارش کی ضرورت سمجھتے تو وہ نواب رام پور کے بجائے اپنے عزیزوں کو خط لکھتے جو سرکارِ انگریزی میں اچھا اثر رکھتے تھے۔ وہ محبت اور ہمدردی کے ساتھ اس کام کو انجام دینے میں دریغ بھی نہ کرتے۔ چنانچہ ''باغیٔ ہندوستان'' طبع سوم کے ص ۲۸ پر ڈاکٹر محمد ریاض کے ایک مضمون کا ایک

پیراگراف چھپا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا خیر آبادی کے چھوٹے بھائی سردار فضل الرحمٰن ریاست پٹیالہ کے وزیر تھے۔ نواب کرناٹک اُن کے قریبی عزیز تھے۔ نواب سید برکت علی خاں بہادر جو انگریزی سرکار میں بڑے مقتدر تھے اُن کے بھانجے تھے۔ مگر مولانا کے اس قسم کے خطوط اُن کے نام لکھنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ لہٰذا مولانا عرشی کی نقل کردہ یہ عرضی اس معاملے میں کوئی وقعت نہیں رکھتی۔

مولانا عرشی نے اپنے مضمون میں ایک بات اور کہی ہے کہ اگر مولانا خیر آبادی نے ''فتوائے جہاد'' دیا ہوتا تو وہ ''الثورۃ الہندیہ'' میں اس کا ذکر ضرور کرتے۔ ظاہر ہے کہ یہ استدلال کا کوئی طریقہ نہیں ہوا۔

یہ بھی تو کہا جاسکتا ہے کہ اگر انہوں نے ''فتوائے جہاد'' نہیں دیا تھا اور اُن کے بارے میں غلط شہرت ہوگئی تھی تو وہ اس فتویٰ نہ دینے کا ذکر ''الثورۃ الہندیہ'' میں ضرور کرتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس لیے یہ دلیل بھی بے وزن ہوکر رہ جاتی ہے۔

لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ مولانا فضل حق کے ''فتوائے جہاد'' نہ دیے جانے کے بارے میں اب تک جو دلائل دیے گئے ہیں وہ بے وزن اور بے حقیقت ہیں۔

حوالہ جات

۱ ماہ نامہ ''تحریک'' دلّی بابت اگست ۱۹۷۳ء (بیس سالہ انتخاب نمبر) جلد ۲۰، شمارہ لامعلوم ۱۳۲۔۱۵۱

۲ اگر کسی کا جواب اثبات میں ہو تو میں اس کو ایک ایسے شخص کے بارے میں بتاؤں گا جس پر مختلف اوقات میں تین بار قتل کے مقدمے چل چکے ہیں۔ دو بار جھوٹے اور ایک بار سچا۔ وہ شخص تینوں بار بَری ہوا ہے۔ میں ہر ایسے شخص سے گزارش کروں گا کہ وہ تینوں مقدموں کی مثلیں دیکھ کر یہ بتائے کہ سچا مقدمہ کون سا تھا اور جھوٹے کون سے تھے۔

۳ ''باغیٔ ہندوستان'' مرتبہ محمد عبدالشاہد خاں شیروانی طبع سوم ناشر مکتبۂ قادریہ لاہور ۱۹۷۸ء ص ۱۴۱

۴ مضمون کیا مولانا فضل حق خیر آبادی کا ۱۸۵۷ء کے فتوائے جہاد سے تعلق تھا؟ مشمولہ ''نیا دور'' لکھنؤ بابت جنوری/ فروری ۱۹۸۱ء ص ۶۔

۵ حکیم احسن اللہ خاں کی یادداشتیں (انگریزی) مرتبہ ڈاکٹر معین الحق بحوالہ ''فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون'' مصنفہ حکیم سید محمود احمد برکاتی، ناشر برکات اکیڈمی کراچی مئی ۱۹۷۵ء، ص ۷۱۔

۶ ماہ نامہ ''نیا دور'' لکھنؤ بابت جنوری/ فروری ۱۹۸۱ء، ص ۵۔

۷ ''فضل حق اور سن ستاون'' ص ۷۰۔

۸ مضمون ''مولانا فضل حق خیر آبادی کا ایک تاریخی قصیدہ'' مشمولہ ''ہفتہ وار ہماری زبان'' دلّی بابت یکم جنوری ۱۹۸۰ء جلد ۳۹ شمارہ ۱، ص ۱، کالم ۴۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

مفتی اعظم ہند کا شہر محبت: مدینہ منورہ

از: غلام مصطفیٰ قادری رضوی، رحمت عالم گلی باسنی ناگور راجستھان

گلستانِ رضا کا ہر گل اپنی مثال آپ ہے ہر پھول کی مہک آج جہانِ سُنّیت میں محسوس کی جا رہی ہے کس کس کا ذکر کیا جائے۔ اس روحانی گھرانے کے ہر فرد کا سرمایۂ حیات خوفِ خدا، عشقِ رسول، صبر و توکل، فقر و غنا، اخلاص و ایثار اور خدمتِ خلق سے عبارت ہے۔ شہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتی الشاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری علیہ الرحمۃ والرضوان انہیں خوش قسمت افراد میں شامل ہیں جن کے علم و فضل، تقویٰ و ورع کے سامنے معاصر علما کی گردنیں تسلیم و رضا سے خم تھیں خدائے بخشندہ کی بارگاہ سے آپ کو بہت کچھ عطا ہوا تھا۔

یوں تو آپ کے سارے کارنامے اور اوصاف اہم ہیں تاہم اپنے آبا و اجداد سے وراثت میں ملی ہوئی دولتِ عظمٰی یعنی وصف عشقِ رسول ﷺ میں آپ اپنی مثال تھے اور کیوں نہ ہو کہ اس جذبۂ عشق کے بغیر نگار خانۂ حیات نرا کباڑ خانہ بن جائے، یہی محبت و اُلفت خدا کی معرفت اور قرب کا ذریعہ ہے، روحِ ایمان بھی ہے اور جانِ ایمان بھی۔ جب خود اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سے محبت فرماتا ہے تو پھر وہ کیوں نہ اہلِ ایمان کے لیے اس محبت کو زینت قرار دے۔ اسی لیے فرمایا کہ ''میرا محبوب ایمان والوں کو ان کی جانوں سے بھی عزیز اور قریب ہے''۔ اعمالِ حسنہ بے شک اہمیت کے حامل ہیں مگر ان سے بھی بڑی چیز اللہ اور اس کے محبوب کی محبت ہے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے اعمال پر فخر نہیں کیا بلکہ محبت و عشقِ رسول میں اپنی کامیابی اور اسی کو زندگی کا سہارا تصور فرمایا۔

دنیا میں ان گنت عُشاق گذرے جنھوں نے اپنی حیاتِ مستعار کو کامیاب اور باوقار بنانے کے لیے محبتِ خداوندی اور عشقِ حبیب کبریا ﷺ سے اپنے دلوں کو سرشار کیا۔ کس کس عاشق و محب کا ذکر کیا جائے تاریخ کے اوراق ایسے خوش بخت انسانوں کے نام سے بھرے ہوئے ہیں۔ میرے ممدوح مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان انہیں بامراد افراد میں شامل تھے جن کی زندگی محبتِ خدا اور اُلفت نائبِ ربِّ اکبر سے شاد و آباد تھی۔ آپ کی زندگی کا مشاہدہ کرنے والے گواہ اور عشق و عرفان سے لبریز آپ کا نعتیہ دیوان ''سامانِ بخشش'' میرے دعوے کی تصدیق کرتا ہے، خود فرماتے ہیں ؎

جانِ ایمان ہے محبت تیری جانِ جاناں
جس کے دل میں یہ نہیں خاک مسلماں ہوگا

مگر آیئے عشق و محبت کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے سردست مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ کی شہرِ محبت یعنی مدینۂ امینہ سے عقیدت و الفت کے چند نمونے ملاحظہ کریں جن سے روحِ انسانی یقیناً جھوم اٹھے

گی اور مشامِ جاں معطر ہو جائے گا۔

عشق و محبت کا تقاضہ ہے کہ محبوب سے نسبت رکھنے والی ہر شے سے محبت کی جائے۔ یہاں تک کہ محبوب کے دیار اس کے شہر کے گلی کوچوں سے بھی پیار کیا جائے۔ عشاق و محبین نے ان تقاضوں کو بھی پورا کیا ہے۔ اور کوچۂ محبوب کی یاد میں انہوں نے جو نذرانے پیش کیے ہیں وہ ان کی محبت کا حق ادا کرنے کی دلیل بھی ثابت ہوئے ہیں۔ مفتیٔ اعظم ہند نے جس ذاتِ گرامی وقار کا عشق اپنے نہاں خانۂ دل میں بسایا وہ کوئی مجازی محبوب نہیں بلکہ اُس مقدس ہستی کی اُلفت آپ نے دل میں بسائی جن سے رب کریم بھی محبت فرماتا ہے اور اس کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیتا ہے۔ اس مقدس محبوب سے الفت وعقیدت کا یہی تقاضہ ہے کہ اس سے منسوب ہر چیز سے پیار کیا جائے اور ان کے دیار سے والہانہ عقیدت کا اظہار کیا جائے۔

مدینہ طیبہ سے خود میرے رسولِ رحمت نے محبت فرمائی اور اپنے غلاموں کو اس کی تعلیم دی، یہی تو کائنات کی راجدھانی ہے۔ کوچۂ محبوب میں جانے اور اس سے عقیدت واحترام ہر عاشقِ مصطفیٰ نے کیا ہے جن کے نقوش ہمیں ان کے کلام میں نظر آتے ہیں۔ مفتیٔ اعظم ہند کی عقیدتِ طیبہ اور محبتِ کوچۂ جاناں کا اندازہ کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیں:

چمن طیبہ میں تو دل کی کلی کھلتی ہے — کیا مدینے سے سوا روضۂ رضواں ہوگا
گر پڑ کے یہاں پہونچا مَر مَر کے اِسے پایا — چھوٹے نہ الٰہی اب سنگِ درِ جاناں
حبیب خدا ہے یہاں جلوہ فرما — یہ گنبد نہیں برج عرشِ خدا ہے
خدا کے یہاں ہے سرفراز اتنا — تیری بارگاہ میں جو جتنا جھکا ہے
فضائے طیبہ کے قربان جاؤں — نسیم خلد سی جس کی ہوا ہے
ہمارے دل کو تو بھایا ہے طیبہ ہی زائد — تمہیں ہے مکہ تو ہوگا سوا مدینے سے

مدینے کی آرزو، وہاں تک پہنچنے کی بے قراری بھی ملاحظہ کیجیے:

شاہِ والا مجھے طیبہ بلالو — طیبہ بلالو مجھے طیبہ بلالو
ڈیوڑھی کا اپنی کتا بنا لو — قدموں سے اپنے مجھ کو لگالو
صدقے میں صدقے میں صدقے بلالو — فرقت کے ماروں کو پیارے جلالو
پیارے جلا لو مجھے پیارے جلا لو — مولیٰ جلا لو مجھے آقا جلالو

مفتیٔ اعظم کے نزدیک خاکِ مدینہ بھی بڑی پیاری ہے وہ اس پاکیزہ سرزمین کی خاکِ پاک کو آنکھوں کا سرمہ بنانا بھی پسند فرماتے ہیں۔ اور کیوں نہ ہو کہ انہوں نے عشاقِ باکمال کی سیرت کا مطالعہ کیا تھا اور محبانِ صادق کی بارگاہ سے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ ان عاشقانِ مصطفیٰ میں امام قاضی عیاض بھی شامل

ہیں، آپ فرماتے ہیں:

''جس سرزمین کی مٹی کو حضور اکرم ﷺ کے جسمِ اقدس کے ساتھ لگنے کا شرف حاصل ہوا ہے لازم ہے کہ ان میدانوں کی بھی تعظیم کی جائے اور اس کی ہواؤں کو سونگھا جائے اور اس کے در و دیوار کو بوسہ دیا جائے۔'' (الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ۱/ ۱۱۱)

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کے احترامِ شہرِ رسول کی بات ہی نہ پوچھیے آپ نے تو اس شخص کو تیس دُرّے مارنے کا حکم دیا تھا جس نے کہا تھا کہ مدینہ منورہ کی مٹی خراب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جس سرزمین میں افضل الخلائق ﷺ آرام فرما ہیں تو کہتا ہے کہ اس سرزمین کی مٹی خراب ہے تو اس لائق تھا کہ تیری گردن ماردی جائے۔ (الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ۱/ ۱۱۱)

خاکِ کوچۂ محبوبِ رب سے مفتیٔ اعظم کی محبت و عقیدت بھی ملاحظہ فرمایئے اور ایسی مثالی محبت و عقیدت کی داد دیجیے، فرماتے ہیں۔

لگاؤں خاک قدم بار بار آنکھوں میں — بصر کے ساتھ بصیرت بھی خوب روشن ہو
لگائے خاک وہاں کی ہزار آنکھوں میں — مدینہ جانِ چمن اور خزاں سے ایمن ہے
لگاؤں سرمہ نہ پھر زینہار آنکھوں میں — ملے جو خاکِ قدم ان کی مجھ کو قسمت سے

محبوں اور عاشقوں کے نزدیک شہرِ محبت کے کانٹے بڑے بڑے حسین باغچوں کے پھولوں سے بھی زیادہ عزیز اور محترم ہوتے ہیں بلکہ خلد بریں کے پھولوں سے بھی زیادہ مدینے کے پھول کو عشاقِ مدینہ احترام و عقیدت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ خاکِ طیبہ سے گذر کر جب مفتیٔ اعظم ہند کی نگاہ خارِ مدینہ پر پڑی ہوگی تو اس وقت کیفیتِ دل عجیب ہوگئی ہوگی۔ اس مقام پر آپ اپنے پدرِ بزرگوار عاشقِ بامراد امام احمد رضا خاں قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، امام موصوف نے فرمایا تھا۔

نظر میں کیسے سمائیں گے پھول جنت کے — کہ بس چکے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں
پاؤں کیا دل میں رکھ لوں پاؤں جو طیبہ کے خار — مجھ سے شوریدہ کو کیا کھٹکا ہو نوکِ خار کا
نہ کیسے یہ گل و غنچے ہوں خوار آنکھوں میں — بسے ہوئے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں

الفتِ خارِ مدینہ سے معمور جذبات لیے ہوئے، فرح و سرور سے مچل کر کس طرح یہ انداز اپنایا واقعی جسم و جاں جھوم جھوم جاتے ہیں۔

پاؤں میں چبھتے تھے پہلے اب تو دل میں چبھتے ہیں
یاد آتا ہے مجھے رہ رہ کر چبھنا خار کا

مدینے کی گلیوں کی جاروب کشی پر بھی مفتیٔ اعظم کو فخر تھا۔ وہاں کی گلیوں میں جھاڑو لگانے کی آرزو

میں ایک بار آپ نے عرض کیا تھا۔

خدا خیر سے لائے وہ دن بھی نوری — مدینے کی گلیاں بہارا کروں میں

عاشقِ صادق کی طلب صادق تھی، مقبولیت و محبوبیتِ بارگاہ سے سرفراز تھے۔ تمنائیں پوری ہوئی کہ حاضریٔ دربارِ مصطفیٰ کے وقت ایک بار مواجہ اقدس میں صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے بعد حرم شریف کے ایک خادم سے جھاڑو لے کر درود و سلام پڑھتے ہوئے اس مبارک سرزمین کو بہارا۔ اس وقت کے آپ کے جذب و شوق کا کیف و سرور ناقابلِ بیان ہے۔ (تاجدارِ اہلسنت، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی ص ۲۴۸)

مفتیٔ اعظم عشق و وارفتگیٔ مدینہ میں بے مثال تھے۔ طیبہ میں ہر درد و الم مٹنے کا انہیں یقین تھا۔ ان کے نزدیک طیبہ دارالشفا ہے اور یہاں ہر دکھ درد سے نجات ملتی ہے۔

ہوتے ہو تم کیوں مایوس و مضطر — کس واسطے ہو حیران و ششدر
دکھ درد والوں سنو دکھ درد والو! — طیبہ سے ہر ایک اپنی دوا لو

دارالشفائے طیبہ میں آؤ — جو مانگو فوراً منھ مانگی پاؤ
اندوہ و غم سب اپنے مٹالو — رنج و الم سب دل سے نکالو

نہ چین پائے گا یہ غم زدہ کسی صورت — مریضِ غم کو ملے گی شفا مدینے سے
پیام لے کے جو آئی صبا مدینے سے — مریضِ عشق کی لائی دوا مدینے سے

مریض معاصی کو لے چل مدینے — مدینہ ہی عصیاں کا دارالشفاء ہے

مفتیٔ اعظم کا ایمان و عقیدہ تھا کہ سرورِ کونین ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مالک و مختار بنایا ہے اور اپنے فضلِ بے پایاں سے اختیارات و تصرفات کی دولت سے مالا مال فرمایا ہے جس کے ثبوت میں آپ نے اپنی گراں قدر نگارشات و تصنیفات میں دلائل و براہین بھی پیش فرمائے ہیں کہ رسولِ رحمت ﷺ کے بے مثال جود و سخا، عدیم المثال فضل و عنایت سے دنیا کی ہر مخلوق نے استفادہ کیا ہے۔ ذرا ان کے نعتیہ اشعار میں اختیاراتِ مصطفیٰ اور فیضِ سرکار اور سخاوتِ مصطفوی کے نرالے انداز ملاحظہ فرمائیے۔

صاحبِ دولت تم ہی تو ہو — قاسمِ نعمت تم ہی تو ہو
تم ہو سارے جگ کے داتا — صلی اللہ علیک وسلم

تو ہے نائب ربِ اکبر — پیارے ہر دم تیرے در پر
اہلِ حاجت کا ہے میلہ — صلی اللہ علیک وسلم

اس لیے مدینے کی گلیوں میں گدا بن کر پھرنا انہیں محبوب تھا۔ وہ مدینے کی گلیوں میں کرم کی بھیک

خود بھی مانگتے اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دیتے کیوں کہ اس در سے مانگنے والا محروم نہیں جاتا۔ وہ مدینے کی گلی کوچوں میں بھیک مانگنا راحت کا سبب جانتے۔ کسی بادشاہِ دنیوی کے آگے انہوں نے ہاتھ نہیں پھیلائے۔ بلکہ تاجدارِ کائنات کے دَر سے ہی وابستہ رہے اور کرم کی خیرات لوٹتے رہے۔

تیرے در کے ہوتے کہاں جاؤں پیارے — کہاں اپنا دامن پسارا کروں میں
میں کیوں غیر کی ٹھوکریں کھانے جاؤں — تیرے در سے اپنا گذارا کروں میں

عقیدت وایقان کی یہ ادا بولی میں ملاحظہ ہو۔

فقیر آپ کے دَر کے ہیں ہم کہاں جائیں — تمہارے کوچہ میں دھونی رمانے آئے ہیں
مدینہ ہم سے فقیر آ کے لوٹ جائیں گے — درِ حضور پہ بستر جمانے آئے ہیں
کوئی مانگے یا نہ مانگے ملنے کا دَر ہے یہی — بے عطائے مصطفائی مدعا ملتا نہیں

ساری دنیا کو یہیں سے خیرات ملتی ہے۔ محبوبِ خدا کے وسیلے کے بغیر خدا بھی ملتا نہیں۔ جس کو جو کچھ ملے گا اسی دربار کے واسطے سے ملے گا۔ مفتیٔ اعظم ہند کے اس اعتقاد کا نمونہ بھی دیکھتے جایئے۔

تمام شاہ و گدا پل رہے ہیں اس در سے — ملی جہان کو روزی سدا مدینے سے
بتا دے کوئی کسی اور سے بھی کچھ پایا — جسے ملا جو ملا وہ بِلا مدینے سے
جو آیا لیکے گیا کون لوٹا خالی ہاتھ — بتا دے کوئی سنا ہو جو "لا" مدینے سے
تیرے نصیب کا نوری ملے گا تجھ کو بھی — لے آئے حصّہ یہ شاہ و گدا مدینے سے

جب بھی کسی مومن کا دل دھڑکتا ہے تو اس کی صدائیں گنبد خضریٰ سے ٹکراتی ہیں۔ اس کے تصور سے ہی اسے راحت میسر آتی ہے اور فراق وجدائی سے اس کا دل بے تاب ہو جاتا ہے۔ مفتیٔ اعظم شہرِ محبت کے عاشق تھے۔ بھلا ان کو مدینے کی جدائی کا غم کیوں نہ ستائے۔

طیبہ میں بلا لینا اور اپنا بنا لینا — قیدیٔ غمِ فرقت کے سرکار رہا کرنا

اور مندرجہ ذیل اشعار پڑھ کر ایک رقت طاری ہو جاتی ہے۔ اس عاشقِ بامراد کی قلبی کیفیتوں کا عجب انداز تو دیکھیے نا۔

بختِ خفتہ نے مجھے روضہ پہ جانے نہ دیا — چشم و دل سینے کلیجے سے لگانے نہ دیا
آہ قسمت مجھے دنیا کے غموں نے روکا — ہائے تقدیر کہ طیبہ مجھے جانے نہ دیا
پاؤں تھک جاتے اگر پاؤں بناتا سر کو — سر کے بل جاتا مگر ضعف جانے نہ دیا
اتنا کمزور کیا ضعف قویٰ نے مجھ کو — پاؤں تو پاؤں مجھے سر بھی اُٹھانے نہ دیا
سر تو سر جان سے جانے کی مجھے حسرت ہے — موت نے ہائے مجھے جان سے جانے نہ دیا

ہاتھ پکڑے ہوئے لے جاتے جو طیبہ مجھ کو | ساتھ اتنا بھی تو میرے رفقا نے نہ دیا

الحمدللہ میرے ممدوح کو حج و زیارتِ بارگاہِ مصطفوی کی سعادت میسر آئی تھی۔ عاشق پھر عاشق ہوتا ہے سنیے کس انداز سے عرض گذار ہیں ۔

عمر ساری تو کٹی لہو میں اپنی نوریؔ | کب مدینے کی طرف کوچ کا ساماں ہوگا

تڑپ رہے ہیں فراقِ حبیب میں عاشق | الٰہی راہ مدینہ کی بے خطر ہو جائے

فراقِ مدینہ میں رہنے والوں کو وہاں کی ہوا اور فضا سے بھی چین میسر آتا ہے۔

طیبہ کی ٹھنڈی ہوا آئے تو پاؤں راحت | قلب بے چین کو چین آئے تو جاں کو راحت

مندرجہ بالا اشعار ہجرِ مدینہ میں بے قراری کا اظہار کرتے ہیں مگر فرقت زدہ دل کو جب شرفِ حضوری بخشا جاتا ہے تو اس کی کیفیت کیا ہوتی ہے، مفتیٔ اعظم کی زبانی سنیے۔

ہم اپنی حسرتِ دل کو مٹانے آئے ہیں | ہم اپنی دل کی لگی کو بجھانے آئے ہیں

دلِ حزیں کو تسلی دلانے آئے ہیں | غمِ فراق کو دل سے مٹانے آئے ہیں

کریم ہیں وہ نگاہِ کرم سے دیکھیں گے | ہم داغ داغ دل اپنا دکھانے آئے ہیں

غم و الم یہ مٹادیں گے شاد کردیں گے | ہم اپنے غم کا قضیہ چکانے آئے ہیں

حضور بہرِ خدا داستانِ غم سن لیں | غمِ فراق کا قصہ سنانے آئے ہیں

اب آخر میں احترامِ طیبہ، ادب و تعظیم مدینۂ امینہ اور عشق غیور کی جرأت رندانہ بھی ملاحظہ ہو۔

آبلے پاؤں میں پڑ جائیں جو چلتے چلتے | راہِ طیبہ میں چلوں سر سے قدم کی صورت

تھے پاؤں میں بےخود کے چھالے تو چلا سر سے | ہشیار ہے دیوانہ ہشیار ہے دیوانہ

سنگِ درِ جاناں ہے ٹھوکر نہ لگے اس کو | لے ہوش پکڑ اب تو اے لغزشِ مستانہ

دو عالم کو کردوں میں اس سر پہ صدقے | نثار مدینہ جو سر ہوچکا ہے

اگرچہ ہے مکہ کی عظمت مسلّم | مگر میرا دل طیبہ ہی پر فدا ہے

آپ کا دیوان ''سامانِ بخشش'' عظمت و رفعتِ مصطفوی علیہ التحیۃ والثناء کا ایک ایسا سدا بہار گلدستہ ہے جس کی ہر کلی خزاں ناآشنا ہے۔ الفت و عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا بے مثال اظہار اس میں ہے اور رسولِ رحمت ﷺ سے نسبت رکھنے والی ہر چیز سے شیفتگی کی حد تک انس کا بھی اس میں مظاہرہ ہے۔ اربابِ شعرو سخن کلامِ مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی خوبیوں اور کمالات پر بہت کچھ لکھ سکتے ہیں امید ہے کہ اس جانب التفات فرما کر عقیدت مندانِ مفتیٔ اعظم کے قلوب و اذہان میں تازگی پیدا کریں گے۔

انٹرنیٹ اور مسلک اہلسنّت و جماعت کی نشر و اشاعت

از قلم: محمد شریف رضا عطاری، کراچی، پاکستان
Email: Shareefsabzwari@yahoo.com

ہم دے رہے ہیں حق کی دعوت جو چاہے ہمارے ساتھ چلے
ہم روک رہے ہیں باطل کو جو چاہے ہمارے ساتھ چلے

انٹرنیٹ کیا ہے؟

انٹرنیٹ کو "سائبر سپیس" اور "انفارمیشن سپر ہائی وے" بھی کہا جاتا ہے۔ انٹرنیٹ دراصل دنیا میں ہزاروں نیٹ ورکس پر مشتمل ہے۔

ایک نیٹ ورک ان کمپیوٹروں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ جو معلومات کو ایک دوسرے تک ترسیل کرنے کے لیے آپس میں منسلک ہوتے ہیں۔

انٹرنیٹ کے استعمال کرنے والے افراد کی تعداد لگ بھگ 500 ملین سے بھی تجاوز کر چکی ہے۔ جس کی شرح میں دن بدن مزید اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

آغاز انٹرنیٹ:-

1960ء کی دہائی کے آخر میں امریکہ کے ڈیفنس ڈیپارٹمنٹ نے ایک نیٹ روک تخلیق کیا تھا جس نے ملٹری کے کمپیوٹروں کو آپس میں جوڑ دیا۔ اس نیٹ ورک کو جسے ARPANET کا نام دیا گیا' اسے اس طرح منسلک کیا گیا کہ اس بات کی ضمانت ہو کہ اگر اس نیٹ ورک کا ایک حصہ خراب ہوجائے تو نیٹ ورک کے باقی کمپیوٹرز اپنا کام کرتے رہے۔

WWW اور ویب سائٹ کیا ہے؟

WWW یہ ورلڈ وائیڈ ویب کا مخفف ہے۔

ویب سائٹ یہ چند صفحات پر مشتمل ہوتی ہے اس کو ویب پیجز بھی کہا جاتا ہے۔ اسے قائم کرنے میں کمپنی یا ادارہ، تحریک یا کوئی بھی شخص کارفرما ہوسکتا ہے۔

فرمانِ اعلیٰحضرت ﷺ اور مسلک اہلسنّت کی نشر و اشاعت:-

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے وہ فرمودات جو کہ "دس نکاتی پروگرام" کے نام سے معروف و متداول ہیں، جن میں مسلکِ اہلسنّت کی نشر و اشاعت کے لحاظ سے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے چند اہم نکات بیان

فرمائے ہیں۔ جن میں سے ''نمبر ۸'' (شہروں شہر آپ کے سفیر نگراں رہیں، جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو، آپ کو اطلاع دیں، آپ سرکوبیٔ اعدا کے لیے اپنی فوجیں، میگزین اور رسالے بھیجتے رہیں؛)۔ اور ''نمبر ۱۰'' (آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں جو وقتاً فوقتاً ہر قسم کے مضامین تمام ملک میں بقیمت و بلاقیمت روزانہ یا کم سے کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں؛ الخ) انٹرنیٹ پر مسلکِ اہلسنّت کی نشر و اشاعت کے حوالے سے قابلِ غور ہیں۔ جس پر عمل پیرا ہونا، ان نکات کی تکمیل میں بہترین شاہ راہ فراہم کرتا ہے۔ فی زمانہ بدمذہبوں کا کام اس نہج پر کافی رفتار سے ہو رہا ہے، جن میں دیوبندی، غیر مقلدین، قادیانی، بہائی وغیرہ سرفہرست ہیں۔ یہاں تک کہ قادیانیوں نے اپنے مسالک کی کتب کا ایک وافر ذخیرہ اپنی سائٹس میں فراہم کر دیا ہے، اور مزید نشر و اشاعت کا عمل بھی سرگرم ہے، جن کے ذریعے وہ اپنے عقایدِ باطلہ مسلمانوں پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح وہابیوں اور دیوبندیوں کا حال اس سے کچھ مختلف نہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلکی سطح پر اس کام کی تکمیل کے لیے کام کیا جائے۔ اس حوالے سے چند نکات میں پیش کرتا ہوں جن پر عمل کرنا مسلکِ اہلسنّت و جماعت کی سائٹس کے لیے باعثِ ارتقا ہوگا۔

انٹرنیٹ پر مسلک اہلسنت کی نشر و اشاعت کے اعتبار سے چند اہم نکات:-

یہ ہے گریباں یہ ہے دامن آؤ کوئی کام کریں
موسم کا منہ تکتے رہنا کام نہیں دیوانوں کا

O سب سے پہلا جو قابلِ غور نکتہ ہے وہ یہ کہ اسلامی سائٹس کے حوالے سے انجمنیں قائم کی جائیں، جو ان سائٹس کے لیے باقاعدگی سے فنڈز جمع کریں، تاکہ اس نہج پر بہتر سے بہتر کام کیا جاسکے۔ نیز فی سبیل اللہ (عزوجل) و بے لوث کام کرنے والے حضرات کی بھی تلاش کی جائے۔

O اسی فنڈز کی مد میں اسلامی کتابوں کی کمپوزنگ کے حوالے سے کمپوزرز کا التزام کیا جائے، تاکہ اکابرین کی کُتُب خصوصاً سیدی اعلیٰحضرت (ﷺ) کی کتب، منظرِ عام پر آئیں۔ نیز کُتُبِ تفسیر اور کُتُبِ حدیث (مع شروحاتِ اکابرِ اہلسنّت)، جن کی ہمارے ہاں اشد ضرورت ہے، ان کو بھی ''نیٹ'' پر لایا جائے۔

O جن کُتُب ہمہ کو فی الوقت کمپوز کرنا ممکن نہیں، تو کم از کم (Scaning) کے ذریعے لایا جائے۔

O مسلکی دیگر سائٹس کو سپورٹ کرنے کے لیے آئی ٹی کی فیلڈ میں مہارت رکھنے والے قابلِ قدر نوجوانوں کا ایک گروپ بنایا جائے۔

O مسلکِ اہلسنّت کی ترجمانی کے لیے الیکٹرانک نیوز پیپر، یا کم از کم (Monthly) میگزین کا اجرا کیا جائے۔ اور اسے مسلسل اپ ڈیٹ کیا جائے۔

○ جن جن موضوعات پر کمی محسوس کی جارہی ہے، اُن پر اسلامی سائٹس کا اجرا کیا جائے، جو تنظیمیں و دیگر سائٹس اپنے اپنے مقاصد کے لیے کوشاں ہیں، وہ روزانہ یا کم از کم ہفتہ وار سائٹ کی (Upgrading) کریں۔

ایک اہم نکتہ:-

○ چونکہ ہمارے ہاں English میں سائٹ بنانے کا کافی رجحان ہے، اگرچہ یہ بھی اچھی بات ہے لیکن فی الوقت اگر غور کیا جائے تو اردو میں کام "القلیل کالمعدوم" کی مثل ہے، اور ہمارے ملک میں اکثریت ایسی بھی ہے، جو انگلش سے مکمل طور پر نابلد ہیں۔ بلکہ بعض کو تو چند روایتی الفاظ کے علاوہ انگلش بولنی بھی نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہند و پاک میں بدمذہبوں کی کافی سائٹس ایسی ہیں جو کہ مکمل طور پر اردو میں ہیں، اور یہی سبب انٹرنیٹ پراُن کے ارتقا و پذیرائی میں ایک اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ حالانکہ اردو ہماری قومی زبان بھی ہے، اور اس کے ارتقا و بقا کے لیے کام کرنا ہمارا ایک قومی فریضہ بھی ہے۔

○ اردو میں سیرت النبی ﷺ پر ایک مکمل سائٹ بنائی جائے، جس میں سیرت سے متعلقہ مواد کو یکجا کیا جائے۔

○ اسی طرح بزرگانِ دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی سیرت پر بھی اُن کی حیات و خدمات کے حوالے سے سائٹس کا اجرا کیا جائے، مثلاً حضور سیدنا غوث پاک ﷺ، حضور خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ، وغیرھم کی حیات و خدمات پر۔

○ سائٹس کی تشہیر خوب سے خوب کی جائے، اس ضمن میں "مسلکی اخبار و جرائد" بھی اپنے اپنے اخباروں وشماروں میں مسلکِ اہلسنّت و جماعت کی ویب سائٹس کو متعارف کرائیں۔

○ عقاید اہلسنّت کے حوالے سے ایک مستقل سائٹ کا التزام کیا جائے، جن میں حتی الوسع اہلسنّت و جماعت کے عقاید پر لٹریچر جمع کیا جائے۔ فی زمانہ اس مہم پر کام بدمذہبوں میں کافی ہورہا ہے، جن کے توسط وہ گم راہی کی دعوت کو مزید تقویت کے ساتھ منشور کررہے ہیں۔

مسلک اہل سنت کی موجودہ چند سائٹس کے حوالے سے نکات:-

○ ویب سائٹ پروفیشنل لیول پر ہو، مین پیج سفید ہو تو بہتر ہے، ورنہ کوئی بھی لائٹ کلر ہو، نیز فونٹس بھی لائٹ کلر کے استعمال کیے جائیں۔

○ بھاری بھرکم "لوگوز" "بینرز" سے اجتناب کریں، کوشش کیجیے کہ سائٹ کا حجم کم سے کم ہو، کیونکہ کافی علاقوں میں نیٹ سروس slow ہونے کی صورت میں یوزر آپ کی سائٹ کو وزٹ کرنا ترک کردے گا۔

○ سب سے اہم نکتہ "اپ گریڈنگ" ہے، جس کا ہمارے ہاں کافی کم سائٹس اہتمام کرتی ہیں، حالانکہ کسی بھی سائٹ کی اچھی پروگریس میں اس کی زیادہ سے زیادہ "اپ گریڈنگ" کا کردار ہوتا ہے۔ لہٰذا اپنی سائٹ کو روزانہ نہیں تو کم از کم ہفتہ وار ضرور اپ گریڈ کریں۔

○ اہلسنت کی اکثر ویب سائٹس پر یکساں مواد دست یاب ہے۔ یعنی ایک ہی طرح کا لٹریچر کئی ویب سائٹس پر موجود ہے۔ یہ یکسانیت سائٹ کے قارئین کے لیے بوریت کا باعث بنتی ہے جس سے گریز کرنا ضروری ہے۔

نوٹ: یہ صرف چند اہم نکات ہیں، ورنہ کافی ایسی باتیں جو ایک پروفیشنل لیول سائٹ کی متقاضی ہیں کو بخوفِ طوالت ترک کیا جاتا ہے۔

اہل سنت و جماعت کی چند اہم سائٹس پر تبصرہ:-

چند مسلکِ اہلِ سنت و جماعت کی سائٹس پر مختصراً روشنی ڈالی جاتی ہیں، جو کہ قارئین کی معلومات میں ایک بہترین اضافہ ثابت ہوگی۔

ا۔ www.dawateislami.net

اہل سنت وجماعت کی مایہ ناز و بے لوث و اصلاحی غیر سیاسی تحریک دعوتِ اسلامی کی فروغِ علم دین پر مشتمل یہ سائٹ ایک علمی خزانے کا مجموعہ ہے جس میں، بہارِ شریعت، جاء الحق، ہمارا اسلام جیسی دل افروز کُتب سمیت 200 سے زائد اردو، سندھی، عربی، انگلش میں کتب موجود ہیں، ساتھ ہی مدنی پھولوں کے مجموعہ پر مشتمل گلدستہ اور اصلاحی کتابچے پر مشتمل امیر دعوتِ اسلامی مولانا محمد الیاس عطار قادری صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے قلم سے نکلے ہوئے وافر علمی خزینے موجود ہیں۔

سروسز:

سائٹ کی چند قابلِ ذکر سروس ایسی ہیں جو اس کو دیگر سے ممتاز کرتی ہیں۔

Ask Imam

اس آپشن کے ذریعے مسائل کا حل ''قرآن'' و ''حدیث'' و ''کتب فقہ'' کی روشنی میں دیا جاتا ہے۔

Tawezat & Wazaif

اس سروس کے ذریعے آپ اپنے یا اپنے احباب کی کسی پریشانی و مصائب کے حل لیے ''تعویذ و وظائف'' کی درخواست دے سکتے ہیں۔ جس کے کچھ ہفتوں بعد ''تعویذ یا وظائف'' آپ کو آپ کے مطلوبہ ایڈریس پر موصول ہوجائیں گے۔ جس کی کسی قسم کی کوئی فیس نہیں۔

اسی طرح ذیل سائٹ میں کافی اہم سیکشنز بھی نظر آئیں گے، جو کہ سائٹ کی اہمیت میں مزید اضافے کا باعث ہے۔ جن میں ''اسلامی ریڈیو''۔ ''امیر اہلسنت'' و ''نگرانِ شوریٰ'' و ''مبلغینِ دعوتِ اسلامی'' کے ''اصلاحی بیانات''، اور ''نعت و مناقب'' موجود ہیں۔

علاوہ ازیں، ''اسلامی گریٹنگ کارڈز''، ''اللہ تعالیٰ عزوجل اور حضور ﷺ کے اسمِ گرامی''، ''درودِ

پاک ﷺ'' کا گلدستہ نمایاں ہیں۔

۲۔ www.faizaneattar.net

دعوتِ اسلامی ڈاٹ نیٹ کے بعد جس سائٹ کو لٹریچر اور معیار کے اعتبار سے دیکھا جائے تو فیضانِ عطار اسی نہج اور موضوع و مقاصد کا احاطہ کرتی ہے، جن کو پورا کرنے کا عزم ''دعوتِ اسلامی ڈاٹ نیٹ'' رکھتی ہے۔ اس سائٹ میں دینی لٹریچر کے حوالے سے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا ''ترجمۂ قرآن کنزالایمان''، اور 100 سے زاید اسلامی اردو، انگلش، عربی کتابیں، اور امیر دعوتِ اسلامی مدظلہ العالی کی اصلاحی کتب و پمفلٹ کا مجموعہ، وغیرہا نمایاں ہیں۔

۳۔ www.islamicacademy.org

المجمع الاسلامی کے تحت چلنے والی ''اسلامک اکیڈمی'' ایسی سائٹ ہے جو کہ اردو و انگلش میں لٹریچر کے حوالے سے خاصا مواد رکھتی ہے، جن میں ترجمۂ کنز الایمان، احادیث، اصلاحی مضامین و فتاویٰ، نمایاں ہیں۔ اس کے علاوہ نعت و ''تقاریرِ علماءِ اہلسنت''، ''وومین سیکشنز''، اور ''نان مسلم سیکشنز'' بھی قابلِ ذکر ہیں، جو کہ اپنے اندر وافر علمی خزینہ سموئے ہوئے ہیں۔

۴۔ www.ishaateislam.net

انجمن اشاعتِ اسلام کے تحت چلنے والی ایک جامع اور علمی سائٹ ہے جو اپنی دیگر خصوصیات کے ساتھ ہر ماہ اپ ڈیٹ بھی ہوا کرتی ہے، اس سائٹ کی نمایاں خصوصیات میں سے ''اسلامی ڈاؤن لوڈز''، جن میں ''نماز ٹائمنگ'' ''وراثت''، ''زکوٰۃ کیل کیولیٹر''، ''قبلہ کیل کیولیٹر'' و دیگر اسلامی سافٹ ویئرز موجود ہیں۔

۵۔ www.yanabi.com

اسلامی تعلیمات کے حوالے سے یا نبی ڈاٹ کام ایک نہایت ہی معلومات افزا سائٹ ہے، اسے ایک مکمل اسلامی پورٹل کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ جن میں قرآن وحدیث، حدیث سرچ انجن، علما کرام کی دینی تقاریر کا وسیع ترین ذخیرہ ''اسلامی فورمز''، ''گروپس''، ''امیج لائبریری''، ''میڈیا لائبریری''، وغیرہ شامل ہیں۔ اس ویب سائٹ پر رجسٹرڈ یوزرز کی تعداد 16 ہزار تک پہنچ چکی ہے اس کی بے مثال کامیابی سے بدمذہب انگشت بدنداں ہیں اور آئے دن اس پر سائبر اٹیک کر کے بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر الحمد للہ اپنے مذموم مقصد میں ناکام رہتے ہیں۔

۶۔ www.nooremadinah.net

نورِ مدینہ نیٹ ورک کے تحت چلنے والی یہ سائٹ مسلکِ اہلسنت کی قدیم سائٹس میں سے ایک ہے، جو کہ اپنے روزِ اوّل ہی سے مسلک کی اشاعت و خدمات کا جذبہ لیے ہوئے ہے، اور آج تک یہ

کاروان جاری و ساری ہے، جو کہ اس کی ایک بہترین سائٹ ہونے کی غمازی کرتا ہے۔ سائٹ میں ''آڈیو لٹریچر'' و ''ویڈیو لٹریچر'' کے حوالے سے ایک وافر ذخیرہ موجود ہے، جس میں ''نعتیں''، ''منقبت''، ''بیانات''، ''مناظرے'' وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ و دیگر اکابرین کی کتب بھی موجود ہیں، مزید کہ، ''اسلامی آرٹیکلز''، ''فورمز، گیلری''، بھی شامل ہیں، یعنی وہ سب کچھ ہے جن بنیادی چیزوں کی ایک اسلامی سائٹ متقاضی ہوتی ہے۔

۷۔ www.alahazratnetwork.org

فکرِ اعلیٰ حضرت لائبریری کے تحت چلنے والی یہ سائٹ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ پر علمی و تحقیقی مواد کا مجموعہ ہے۔ سائٹ تا حال 57 کتبِ اعلیٰ حضرت، فتاویٰ رضویہ جلد اوّل تا چہارم مکمل، سیدی اعلیٰ حضرت پر 240 سے زائد آرٹیکلز، 100 سے زائد مخطوطاتِ اعلیٰ حضرت و مضامین سموئے ہوئے ہے۔ اس کے علاوہ کتبِ اعلیٰ حضرت اور اعلیٰ حضرت پر کتب کو مختلف عنوانات کے تحت ترتیب دینا ''تسہیلِ کتب اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ'' نمایاں ہیں، مستقبل میں مسلکی نشر و اشاعت کے اعتبار سے مزید امیدیں کی جا سکتی ہیں۔ قلیل عرصہ میں کسی ایک ویب سائٹ پر کتبِ اعلیٰ حضرت کی سب سے زیادہ تعداد اس ویب سائٹ پر دست یاب ہیں، اکثر کتب ایسی ہیں جو پہلی بار انٹرنیٹ پر پیش کی گئی ہیں۔

۸۔ www.ahlesunnat.net

جماعت اہلسنت کی صدارت میں چلنے والی اسلامی معیاری مواد پر مشتمل ایک اور مایہ ناز سائٹ ہے، جس میں روایتی موضوعات کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت کچھ ہے۔ اس سائٹ میں ''فوٹو گیلری''، ''آسک امام'' اور ''اسلامی کتب'' کے سیکشنز قابلِ تعریف ہیں۔

۹۔ www.barkati.net

برکاتی فاؤنڈیشن، کے تحت چلنے والی اس سائٹ میں اہلسنت و جماعت کی کثیر کتب کا ذخیرہ موجود ہے، جن میں ''ضیاء الحدیث'' ''وقار الفتاویٰ''، ''حدائق بخشش''، وغیرہ نمایاں ہیں۔ مزید یہ کہ ''اسلامی سافٹ ویئرز''، ''آرٹیکلز'' وغیرہ کے ''سیکشنز'' بھی سائٹ کو چار چاند لگاتے ہیں۔

۱۰۔ www.khatmenabuwat.com / www.kanzuleman.com

شاہینِ ختم نبوت حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امین قادری عطاری رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی ختم نبوت ﷺ کی خدمات پر بنائی جانے والی ایک نایاب کاوش ہے۔

یہ سائٹ مسلکِ اہلسنت کی سائٹس میں ختم نبوت کے موضوع کو پُر کرنے والی ایک بہترین کوشش ہے جو کہ موضوع کا بھرپور احاطہ کرتی ہے۔ چونکہ ابھی سائٹ زیرِ تکمیل ہے اس لیے مستقبل میں مسلکِ

اہلسنت کی نشر و اشاعت کے حوالے سے اس سائٹ سے امیدیں کی جاسکتی ہیں۔

ان نمایاں ویب سائٹس کے علاوہ ایسے رومز بھی کام کررہے ہیں جہاں سے مسلسل مسلکِ اہل سنت کی اشاعت ہوتی ہے۔ پال ٹاک Paltalk پر دعوتِ اسلامی کے روم میں ہفتہ واری اجتماع براہ راست سُنا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اہل سنت کے چند رومز ہیں جہاں مسلسل تقاریر، نعتیں یا مناظرے جاری رہتے ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔

دیگر قابل ذکر سُنّی سائٹس :۔

مضمون کی طوالت کی بنا پر "مسلکی چند اہم سائٹس" کا صرف نام دینے پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

www.trueislam.info
www.noorenabi.com
www.khatmeqadria.net
www.ahaadees.com
www.razaacademy.com
www.faizanemadina.com
www.madni.net
www.siratemustaqeem.net
www.islam.has.it/
www.imamahmedraza.net
www.alahazrat.net
www.ziaetaiba.net
www.tafseerequran.net
www.onlinemufti.com
www.mustafai.org
www.razaemustafa.net
www.madni.org
www.yarsool.net

اسلامی جامعات کی ویب سائٹس :۔

جامعة المدينه	www.jamiatulmadina.com
جامعه اشرفيه	www.aljamiatulashrafia.org
جامعه قادريه	www.jamiaqadria.net
جامعه حنفيه رضويه	www.jamiahanfiarizvia.com
دارلعلوم نعيميه	www.naeemia.com

اسلامی رسائل وجرائد :۔

سه ماهی افکار رضا	www.fikreraza.net
ماهنامه اشرفيه	www.aljamiatulashrafia.org
ماهنامه تحفظ	www.mtkarachi.net
ماهنامه جامِ نور	www.jaamenoor.com
ماهنامه آوازِ اهلسنت	www.ahlesunnat.info
مجلّه نعت رنگ	www.naatrang.com

باسمہٖ تعالیٰ

تاریخی دستاویز

غیر مقلدین اپنے آپ کو "وہابی" کہلوانے سے بہت شرماتے ہیں، چنانچہ انہوں نے ۱۸۸۶ء میں گورنمنٹ انگلشیہ ہندستان کی خدمت میں درخواست گزاری کہ جناب ہمیں وہابی کے بجائے اہل حدیث کہا جائے، راقم الحروف اصل حوالہ سے بچشم خود دیکھ کر لفظ بہ لفظ نقل کر رہا ہے ہفت روزہ اہل حدیث، امرتسر کے الفاظ یہ ہیں:

وہابی لکھنے کی ممانعت

بہت سے احباب دریافت کیا کرتے ہیں کہ اہلحدیث کو وہابی لکھنے کی ممانعت سرکار سے کب ہوئی تھی اور یہ کہ اس کی نقل مل سکتی ہے یا نہیں؟ ایسے اصحاب کی خاطر آج ہم اصل حکم کی نقل معہ ترجمہ کے شائع کرتے ہیں، اس کی ابتدایوں ہوئی تھی کہ ۱۸۸۶ء میں مولانا ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی مرحوم نے ارکان جماعت اہلحدیث کے دستخطی ایک درخوست بوساطت لاٹ صاحب پنجاب وائسرائے ہند کی خدمت میں بھیجی تھی کہ ہمارے فرقہ کا نام اہلحدیث ہے، وہابی ہم کو نہ لکھا جائے، لاٹ صاحب پنجاب نے اپنی تائید کے ساتھ اس کو وائسرائے ہند کی خدمت میں بھیج دیا، وہاں سے حسب ضابطہ گورنمنٹ پنجاب کو اطلاع آئی اور گورنمنٹ پنجاب نے اوس اطلاع کی کاپی مولانا مرحوم کے پاس بھیج دی، اور گورنمنٹ مدراس کی طرف سے ۱۵/اگست ۱۸۸۸ء کو بذریعہ خط نمبری ۱۲۷ اور گورنمنٹ بنگال کی طرف سے ۴/مارچ ۱۸۹۰ء کو بذریعہ خط نمبری ۵۶ مولانا مرحوم کو اطلاعیں موصول ہوئیں۔ الحمد للہ

شکریہ۔ اس قومی خدمت کے عوض ہم درخواست کرتے ہیں کہ ناظرین مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی مرحوم کے حق میں دعا مغفرت کریں۔ نقل کاپی مع ترجمہ درج ذیل ہے

Copy of the letter no 1758 dated 3rd december 1886 from the officing secrectary to the govt of home deptt india to the secretary to°the govt of the punjab. In reply to your letter no 1044 dated the 8th june last I am directed to say tfat the governor genoral in council is pleased to express his concurrence with the views of sir.c.airchison that the use of the term wahabi should be discontinded in official correspondence.

ترجمہ۔ مراسلہ نمبر ۱۷۵۸ مورخہ ۳ر دسمبر ۱۸۸۶ء مرسلہ سکرٹری گورنمنٹ انڈیا محکمہ داخلہ بنام سکرٹری صوبہ پنجاب۔

آپ کے خط کے جواب میں جس کا نمبر ۱۰۴۴ ہے جو ۸ر جون کو ارسال کیا گیا تھا، مجھے حکم صادر ہوا ہے کہ میں آپ کو مطلع کروں کہ گورنر جنرل نے معہ کونسل اس بات کو باعث مسرت خیال کیا ہے کہ وہ سرایچی سن (لاٹ صاحب صوبہ پنجاب) کے خیالات سے موافقت رکھتے اور اس بات پر متفق ہیں کہ لفظ وہابی کا استعمال آئندہ سرکاری خط وکتابت میں ممنوع قرار دیا جائے۔

(نوٹ) گورنمنٹ صوبہ پنجاب کی طرف سے بذریعہ خط مورخہ ۱۹ر جنوری ۱۸۸۷ء نمبری (۱۳۷) مولانا مرحوم کو اطلاع ملی، اور گورنمنٹ یوپی (آگرہ واودھ وغیرہ) کی طرف سے بذریعہ خط مورخہ ۲۰ر جولائی ۱۸۸۸ء نمبری (۳۸۶) اور ممالک متوسط کی طرف سے ۱۴ر جولائی ۱۸۸۸ء بذریعہ خط نمبری (۲۰۷) گورنمنٹ بمبئی کی طرف سے ۱۴ر اگست ۱۸۸۸ء بذریعہ خط نمبر (۵۷۲۲) اطلاع ملی۔

بعض دوست پوچھا کرتے ہیں کہ اس لفظ دفعہ ۲۵۰۰ حکومت ہند میں ہتک عزت کی نالش ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر عدالت کو شہادت سے باور کرایا جائے کہ لفظ سے مستغیث کی ہتک ہے تو سزا ضرور ملے گی۔

(ہفت روزہ اہلحدیث، امرتسر، شمارہ ۶ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ، صفحہ ۸، کالم ۲،۳)

قطعہ

از: حضرت مولانا سعید اعجاز کامٹوی

دین کے مقتدا کی بات کریں　　وقت کے پیشوا کی بات کریں

آؤ احمد رضا کی بات کریں　　چاہتے ہو رضا جو احمد رضا کی

تبصرہ کتب

نام کتاب: عورت اور آزادی

مصنف: غلام مصطفیٰ قادری رضوی باسنوی صفحات: ۶۸

ناشر: مرکز اہلسنّت برکاتِ رضا، پور بندر، گجرات قیمت: ۲۵ روپے

مبصر: مولانا عبدالسلام رضوی (استاذ جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف)

دھان پان وجود، لیکن علم وعمل کی قوتوں سے مالا مال، لباس میں سادگی مگر جمالِ علم و ادب سے آراستہ، دل دینی و ملی خدمات کے جذبات سے سرشار، دماغ صالح و بلند افکار ونظریات کا حامل، مشغلہ درس وتدریس اور تبلیغ و ارشاد، یہ ہیں ہمارے عزیز اعز مولوی غلام مصطفیٰ صاحب قادری رضوی حفظہ اللہ تعالیٰ جو صوبۂ راجستھان کے مشہور ومعروف قصبہ باسنی ضلع ناگور شریف کے باشندے ہیں اور اسی قصبہ کی ایک درسگاہ مدینۃ العلوم پھول پورہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہیں۔

عزیز موصوف ایک اچھے عالم دین اور نوخیز قلم کار ہیں تبلیغ وتحریک کا ان میں بھرپور جذبہ ہے۔ تقریراً بھی تبلیغ و ارشاد کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور تحریراً بھی، آئے دن مفید وکارآمد مضامین لکھتے رہتے ہیں۔ ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، کنزالایمان دہلی سہ ماہی افکارِ رضا ممبئی ماہنامہ جام نور دہلی اور ماہنامہ جہانِ رضا لاہور پاکستان میں ان کے مقالات ومضامین شائع ہوتے رہتے ہیں عزیز موصوف نے اس راز کو سمجھ لیا ہے کہ۔

بے محنت پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا
روشن شرر تیشہ سے ہے خانۂ فرہاد

اس نوعمری میں ان کے یہ جذبات وخدمات ہمیں اس بات کی امید دلاتے ہیں کہ عزیز موصوف سلمہ کی شخصیت سے ان شاء اللہ تبارک وتعالیٰ دین وسُنّیت کی عظیم خدمات انجام پائیں گی خدا کرے کہ ہماری یہ امیدیں پوری ہوں۔ آمین

زیرنظر رسالہ ''عورت اور آزادی'' بشکل کتاب عزیز موصوف کی دوسری قلمی کاوش ہے اس سے پہلے ان کی ایک تصنیف ''نیک بیبیوں کی کہانی'' شائع ہوچکی ہے جو ہاتھوں ہاتھ لی گئی اور مدت قلیل میں اس کا ہندی ایڈیشن بھی منظر عام پر آگیا جو بلاشبہ اس کی مقبولیت کی دلیل ہے امید ہے کہ یہ دوسری کتاب ''عورت اور آزادی'' بھی اسی طرح درجۂ قبول پائے گی جس طرح پہلی کتاب مقبول ہوئی انشاء اللہ العزیز۔

''عورت اور آزادی'' خواتین کی دینی معلومات اور ان کی اصلاح کے لیے ایک عمدہ کتاب ہے اور

سوال و جواب کے طریقہ نے کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ کیا ہے کہ یہ طریقہ مسائل کو ذہن نشین کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ آج جو خرابیاں خواتین میں پنپ رہی ہیں اور وہ ماڈرن اور بولڈ کہلانے کے شیطانی شوق میں مغربی تہذیب کے جو مذموم طریقے اپنا رہی ہیں موصوف نے بڑی وضاحت کے ساتھ ان کی قباحت و شناعت ذہن میں بٹھانے کی کوشش کی ہے۔ نیز جہالت، ضعفِ اعتقاد اور اوہام پرستی کی شکار خواتین جن برائیوں میں مبتلا ہوتی ہیں وہ بھی کتاب میں مذکور ہیں۔ ناواقفیت کی وجہ سے عام لوگ خصوصاً خواتین ایسے کلمات بول دیتی ہیں جن سے ایمان تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور بولنے والے کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ ایمان جیسی عظیم دولت اس کے ہاتھوں سے نکل چکی ہے لہٰذا موصوف نے بہت سے کلماتِ کفر کا ذکر بھی کتاب میں کر دیا ہے اور بھی بہت سے مفید اور ضروری امور ہیں جو شامل کتاب ہیں ذیل میں کتاب کی اجمالی فہرست ذکر کی جاتی ہے جس سے کتاب کی افادیت و اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۱) شرم و حیا اور پردہ (۲) پردہ کن سے ضروری ہے (۳) پردہ پر اعتراضات کے جوابات (۴) تنگ لباس اور باریک دوپٹہ اوڑھنا (۵) مردوں کے ساتھ تشبہ (۶) عورتوں کی مزارات پر حاضری (۷) بال کٹوانا اور ناخن پالش کا استعمال (۸) عورت کس قسم کی خوشبو استعمال کرے (۹) بعض لوگوں کا یہ خیال کہ ان پر فلاں بزرگ کی سواری آتی ہے اس کی حقیقت (۱۰) خواتین کے لیے حقوق اللہ و حقوق العباد کا بیان (۱۱) کفریہ کلمات کا بیان (۱۲) قضا نمازوں کی ادائیگی کا طریقہ۔

دین کے وہ احکام جو خواتین کے لیے سراپا رحمت ہیں ان کی عزت و عظمت کو اجاگر کرتے ہیں اور ان کی عصمت و آبرو کی حفاظت کے ضامن ہیں بہت ہی افسوس کی بات ہے کہ آج بہت سی خواتین مغربی تہذیب کے سحر میں مبتلا ہو کر انہی احکام کو اپنے حق میں گراں اور ترقی کے لیے رکاوٹ سمجھ رہی ہیں اسے عقل کا دیوالیہ پن اور نفس و شیطان کا فریب نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے؟

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

اور احکامِ دین سے سرکشی اور بیزاری کے بُرے نتائج بھی سامنے ہیں۔ آئے دن اخبارات میں اغوا اور عصمت دری کے واقعات پڑھنے کو ملتے ہیں مگر اس پر اس قسم کی خواتین کی آنکھیں نہیں کھلتیں اور دلوں سے غفلت کے پردے نہیں ہٹتے۔ ایسا لگتا ہے جیسے عصمت و آبرو کی ان کی نظر میں کوئی قدر و قیمت ہی نہ ہو۔ حالانکہ یہ وہ انمول جوہر ہے جس کے لیے غیرت مند خواتین نے اپنی جانیں بھی قربان کر دی ہیں۔ اسلامی بھائی ہوں یا اسلامی بہنیں سب کے لیے لازم ہے کہ اسلام کے جملہ احکام پر دل و جان سے عمل کریں اسی میں ہم سب کی اخروی فلاح و نجات ہے اور اسی میں دنیوی عظمت و عزت ہے۔

ہمیں کرنی ہے شاہنشاہ بطحا کی رضا جوئی
وہ اپنے ہوگئے تو رحمت پروردگار اپنی

جناب مولوی غلام مصطفےٰ صاحب قادری رضوی لائق صد تحسین ہیں کہ انہوں نے "الدین النصح" پر عمل کرتے ہوئے اسلامی بہنوں کی اصلاح کے لیے مفید وگراں قدر کتاب مرتب فرمائی اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور بیش از بیش اخلاص کے ساتھ خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

ماہر رضویات علامہ عبدالستار ہمدانی صاحب مدظلہ العالی بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے خواتین کے حق میں اس مفید کتاب کو اپنے ادارہ مرکز اہلسنت برکاتِ رضا پور بندر گجرات سے اہتمام کے ساتھ شائع فرمایا کتابت و کاغذ عمدہ اور سرورق خوبصورت اور دیدہ زیب ہے مولائے کریم آپ کی خدمت کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور دونوں جہاں میں بہتر سے بہتر جزائے خیر سے نوازے آمین بجاہ سید المرسلین وخیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی الہ وصحبہ اجمعین

nnnnnnnnnnnn

نام کتاب: امتیاز حق و باطل
مصنف: مولانا عبدالمالک مصباحی، ایم اے
صفحات: ۲۲۴
ناشر: مکتبہ نعیمیہ، ٹیامحل جامع مسجد دہلی ۶
مبصر: غلام مصطفےٰ قادری رضوی باسنی ناگور راجستھان

مخبر صادق حضور رحمت عالم ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے افتراق امت کی نشاندہی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ "بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی ان میں ایک مذہب والوں کے سوا باقی تمام مذاہب والے ناری اور جہنمی ہوں گے" (ترمذی شریف، انوارالحدیث ص ۹۳)

چونکہ صادق و مصدوق ﷺ کا فرمان تھا پورا ہونا ہی تھا۔ اور امت میں تہتر فرقے ہوگئے۔ حضور حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں: کبار فرق اسلامیہ آٹھ ہیں۔ (۱) معتزلہ (۲) شیعہ (۳) خوارج (۴) مرجیہ (۵) بخاریہ (۶) جبریہ (۷) مشبہ (۸) ناجیہ (اہلسنت وجماعت) معتزلہ کے بیس فرقے ہیں، شیعہ کے بائیس، خوارج کے بیس، مرجیہ کے پانچ، بخاریہ کے تین، جبریہ ومشبہ کا ایک ایک فرقہ، یہ سب بہتر فرقے ہیں اور تہترواں فرقہ ناجیہ صرف اہلسنت و جماعت کا

ہے۔'' (فرقۂ ناجیہ ص ۲۰)

علامہ یٰسن اختر مصباحی صاحب دام ظلہ رقم طراز ہیں:

''جماعت اہلسنت سے الگ ہونے والے فرقے مثلاً خوارج، روافض، معتزلہ وغیرہ نے اسلام کو بے حد نقصان پہنچایا۔ اہل اسلام کو سخت فتنوں اور آزمائشوں میں ڈالا، مسلم حکومتوں کے درپے آزار ہوئے اباطیل وخرافات اور مزخرفات کا ایسا ڈھیر لگایا کہ جس نے بے شمار مسلمانوں کو شک و ارتیاب اور بہت سی گمراہیوں میں مبتلا کردیا ان کے جرائیم اور سازشیں آج بھی مختلف شکلوں میں کارفرما ہیں اور اپنے شدوذو نکارت اور عصیان وطغیان کی بادسموم سے اسلام و اہل اسلام کے جسم وروح کو متاثر کررہی ہیں۔''

(مقدمہ: افتراق بین المسلمین کے اسباب ص ۲۱)

زیر تبصرہ کتاب ''امتیازِ حق و باطل'' میں مولانا محمد عبدالمالک مصباحی صاحب نے ان ہی فرقوں کی پہچان کرائی ہے جو بنام حق دنیا بھر میں پنپ رہے ہیں اور لوگوں کو گمراہ کررہے ہیں۔ ان کا اصل چہرہ قارئین کے سامنے رکھا ہے تاکہ جو لوگ ان بدمذہبوں کے ظاہر کو دیکھ کر متاثر ہوجاتے ہیں وہ اندازہ لگا سکیں کہ ان گمراہ لوگوں نے ہمارے مذہب اسلام کی شبیہ کو بگاڑنے کی کیسی کیسی مساعیٔ ناکام کی ہیں، ان کے گندے اور فاسد عقائد ونظریات کو بھی نقل کیا ہے تاکہ حقیقت سامنے آسکے۔

اپنی اس کتاب میں واضح دلائل و براہین سے ثابت کیا گیا ہے کہ تمام فرقوں اور جماعتوں میں صرف اور صرف جماعت اہلسنت ہی حق ہے اور نجات یافتہ فرقہ ہے۔ جو اس جماعت سے وابستہ ہوا وہ کامیاب ہوا اور جو اس سے دور بھاگا وہ ناکام و نامراد ہوا بلکہ تباہی کی طرف گیا۔ خود حضور رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فی النار" تم سواد اعظم (بڑی جماعت) کی اتباع کرو اس سے جو الگ ہوا وہ تنہا جہنم میں بھیجا جائے گا۔''

امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ ''المراد بالسواد الاعظم هم من كان اهل السنة والجماعة'' یعنی سواد اعظم سے مراد اہلسنت و جماعت ہیں'' (میزان الشریعہ)

اپنی اس کتاب کو مصنف نے نو ابواب پر تقسیم کیا ہے۔ پہلا باب: رافضی، شیعہ کی اصل اور ابتدا، دوسرا باب: وہابی دیوبندی فرقہ کی تاریخ، تیسرا باب: غیر مقلدین کی ابتدا، چوتھا باب: احمدی جماعت (قادیانی جماعت کا تعارف و تجزیہ) پانچواں باب: جماعت اسلامی، ابتدا و تاریخ، چھٹا باب: نیچری فرقہ کی ابتدا بانی اور اس کے عقائد ونظریات، ساتواں باب: خاکسار تحریک، آٹھواں باب: چکڑالوی فرقہ کی ابتدا و بانی، اور نواں باب: اہلسنت و جماعت کا تعارف۔

فاضل مؤلف نے ہر فرقہ کی ابتدا، بانی اور اس کے عقائد و اعمال کا انہی کی کتابوں سے جائزہ لیا

ہے اور ان کی اصل حقیقت کو واضح کیا ہے۔ بقول ان کے ہر جماعت کے ایسے ہی افراد کی عبارتیں نقل کی گئی ہیں جو جماعت کے سرگرم رکن رہے ہیں یا جماعت میں جن کا ایک خاص اور ممتاز مقام۔ نقل عبارت میں حوالوں کی صحت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔'' ''امتیازِ حق و باطل'' ان شاء اللہ العزیز حق و باطل میں تمیز پیدا کرنے میں کافی ممد و معاون ثابت ہوگی۔ باطل اور گمراہ لوگوں کی اصلیت جاننے کے بعد ایک صحیح العقیدہ مسلمان کبھی بھی ان سے میل محبت کرنا گوارا نہیں کرسکتا۔ ٹھوس حوالوں کے ساتھ فرقوں کی تاریخ پر اس کتاب میں بہت کچھ لکھ دیا گیا ہے۔

فاضل مصنف مولانا عبدالمالک مصباحی (مہتمم دارالعلوم غریب نواز بیکا نیر راجستھان) ہماری جماعت کے لائق و فائق عالم دین، سنجیدہ فکر مصنف و مقرر اور کامیاب خطیب ہیں۔ مختلف موضوعاتِ اسلامیہ پر ان کے درجنوں مقالات اہلسنّت کے معیاری رسائل میں چھپ کر دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں، رب قدیر ان کے حوصلوں میں مزید پختگی عطا فرمائے اور ان کے ذریعے دین وسنیت کا بیش از بیش کام لیتا رہے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وصحبہ وسلم۔

ضرورت ہے کہ اس کتاب کو گھر گھر پہنچایا جائے تاکہ سادہ لوح مسلمان اپنی متاعِ ایمانی کی حفاظت کا سامان کرسکیں نیز باطل اور گمراہ افراد کے مکر وفریب سے بچ سکیں۔ مکتبہ نعیمیہ دہلی نے اس کتاب کو شائع کر کے اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔ مولاے قدیر اس ادارہ کی خدمات کو بھی شرفِ قبولیت عطا فرمائے آمین

+ + + + + + + +

سانحۂ نشتر پارک قابلِ مذمت۔ شہداے جشنِ میلاد ﷺ کو سلام

گستاخ کارٹونسٹ کے خلاف صداے احتجاج بلند کرنے کی پاداش میں یہود و نصاریٰ کی ایما پر پہلی بار کراچی میں جشنِ میلاد النبی ﷺ کے موقع پر ایک زبردست بم دھماکے میں علما کرام کو شہید کردیا گیا۔ یہ دھماکہ اس قدر شدید تھا کہ قریباً ۶۰ علما کرام اور دینی تنظیموں کے عہدیداران شہید ہوگئے۔ یہ منظر ٹی وی پر جس نے بھی دیکھا اُس کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ اس سانحے کے پسِ پشت امریکی ہاتھ ہے اور حکومتِ پاکستان جانتے ہوئے بھی چشم پوشی سے کام لے رہی ہے۔ الحمدللہ ساری دنیا میں سُنّی امن سے رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی تحفظ دیتے ہیں۔ کہیں بھی کسی بھی دہشت گردی میں سُنّی مسلمان ملوث نہیں پائے گئے۔ جب کوئی ملزم نہیں تو کارروائی کیسے کی جائے۔ اس لیے یہ دھماکہ کر کے سُنّیوں کو دہشت زدہ کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ سُنّی مسلمان ہر دم اپنے آقا و مولیٰ ﷺ پر قربان رہنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔

سُن لے اے گستاخِ نبی تو غیرتِ سُنّی زندہ ہے ☆ اُن (ﷺ) پر مر مٹنے کا جذبہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے

میرے رضا کا پاکستان (قسط دوم)

از: محمد زبیر قادری

آج کی شب، شبِ معراج (۲۶ رجب المرجب ۱۴۲۶ھ) تھی۔ مجھے محترم صبیح رحمانی نے ایک دن پیش تر ہی بتا دیا تھا کہ کل شبِ معراج کے موقع پر کیو ٹی وی پر خصوصی محفلِ نعت کا انعقاد کیا گیا، مجھے بھی مدعو کیا گیا ہے لہٰذا آپ بھی چلیے۔ انھوں نے یہ کہا کہ میں آپ کو اس پروگرام میں اس لیے لے جارہا ہوں کہ آپ کے تجربات و مشاہدات میں اضافہ ہو اور یہ آپ کے آیندہ کام آئے۔ مجھے کیا اعتراض ہوسکتا تھا لہٰذا میں اس پروگرام میں شرکت کے لیے آمادہ ہوگیا۔

حسبِ معمول صبیح بھائی اپنے خصوصی معاون جناب ارشاد صاحب کے ہم راہ احقر کو پک اَپ کرنے کے لیے پہلے سے طے شدہ مقام پر پہنچ گئے۔ ہماری گاڑی کا گزر یو پی موڑ (نارتھ کراچی) علاقے سے ہوا جہاں قطار سے زرق برق سجاوٹ سے لدے شادی ہال نظر آئے۔ یہ دیکھ کر مجھے یاد آیا کہ آج ہی کی شب مجھے اپنے خاندان کی ایک شادی کی تقریب میں مدعو کیا گیا ہے۔ لیکن میں نے محفلِ میلاد میں شرکت کو ترجیح دیتے ہوئے شادی میں جانا کینسل کیا۔

اس بات پر مجھے حیرت بھی ہوئی اور افسوس بھی کہ یہاں لوگوں میں اس قدر مذہبی شعور بھی باقی نہیں رہا کہ اپنے صرف چند مخصوص مذہبی تیوہاروں کے دن، شادی و دیگر تقاریب نہ رکھی جائیں۔ اور ان ایام میں عبادات و دینی تقاریب کا اہتمام کیا جائے۔ اسلام میں شادی کرنے کی کسی بھی دن ممانعت نہیں لیکن کیا سال کے ۳۶۵ دنوں میں عید، بقرعید، عاشورہ یا مقدس راتیں ہی شادی کے پروگرام کے لیے رہ گئی ہیں؟

کیو ٹی وی کا اسٹوڈیو سائٹ علاقہ میں ہے جہاں شبِ معراج کی محفل منعقد تھی۔ صبیح صاحب نے راستے میں ہی تسلیم صابری کو جو کہ پروگرام اناؤنسر ہیں کو فون کرکے دریافت کیا کہ کیا پروگرام شروع ہوگیا؟ وہاں سے ہاں میں جواب ملا، تو انھوں نے اُن سے کہا کہ میرے ساتھ انڈیا کے ایک مہمان تشریف لارہے ہیں۔ آپ ٹی وی پر اُن کا تعارف کروا دیجیے گا۔ لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آسکی۔ کیونکہ جب ہم وہاں تقریباً ۱۲ بجے پہنچے تو محفل شروع ہوکر اپنے جوبن پر آچکی تھی۔ نعت خواں اور سامعین حضرات دونوں نعت کہنے سننے میں مگن تھے۔

وہاں پہنچ کر صبیح صاحب نے کیو ٹی وی کے مالک جناب عبدالرؤف، ویڈیو ڈائریکٹر جناب خلیل وارثی اور دیگر عہدہ داروں سے ملوا کر مختصر تعارف کروایا۔ چونکہ پروگرام جاری تھا اس لیے مجھے اور ارشاد قریشی صاحب کو کہا کہ آپ اسٹیج کے سامنے ہی بیٹھ جائیں۔ ہمارے بیٹھنے کے کچھ دیر بعد صبیح صاحب بھی

اسٹیج پر تشریف لے گئے۔ اس وقت اسٹیج پر نعت خوانوں میں اویس قادری، ڈاکٹر حافظ نثار معرفانی، بلال قادری، سید ریحان قادری، سید فرقان قادری تشریف فرما تھے۔ تمام نعت خواں کیو (Q) کی شکل کے ایک دائرے میں بیٹھے تھے اور پشت پر 2nd Anniversay Celebration (دوسری سال گرہ کا جشن) لکھا ہوا تھا۔ یعنی یہ پروگرام شب معراج کے موقع پر کیو ٹی وی کی دوسری سال گرہ کے جشن کے طور پر منایا جارہا تھا۔

یہ جگہ کیو ٹی وی کے پروگرامس کی ریکارڈنگ کے لیے بنایا گیا ہال ہے اور اس کا اسٹیج بھی مستقل ہے۔ میں نے کیو ٹی وی کے کئی پروگراموں میں یہی اسٹیج مختلف سجاوٹ کے ساتھ دیکھا ہے۔ اسٹیج کے مقابل ایک کھلا وسیع ہال ہے جس میں تقریباً چار پانچ ہزار آدمی فرش پر بیٹھ سکتے ہیں۔ بائیں طرف پردہ لگا کر خواتین کی نشست کا اہتمام کیا گیا تھا اور اسٹیج کی دائیں طرف موجود عمارت کے پہلے منزلے پر بھی خواتین کے لیے انتظام تھا۔ اسٹیج کے سامنے ہی دائیں بائیں طرف دو کیمرہ مین ریکارڈنگ کررہے تھے۔ ہال مکمل بھر چکا تھا اس کے باوجود جیسے جیسے لوگوں کو یہ علم ہورہا تھا کہ شبِ معراج کی محفل لائیو (Live) دکھائی جارہی ہے تو لوگ باگ گاڑیاں دوڑاتے آرہے تھے۔ بے چارے اناؤنسر کو بار بار یہ اعلان کرنا پڑ رہا تھا کہ جو حضرات اب تک اس پروگرام میں شرکت کے لیے نہیں نکلے ہوں وہ براہ کرم اپنے گھروں پر ہی اس پروگرام سے محظوظ ہوں۔ لیکن اس کی آواز صدا بہ صحرا ثابت ہورہی تھی۔

اسٹیج پر بائیں جانب پروگرام اناؤنسر تسلیم صابری بیٹھے تھے اور دائیں جانب ایک چودہ پندرہ سالہ نوجوان مائیک ہاتھ میں لیے نعت خوانوں کی نعت گوئی کے درمیان ذکر (اللہ اللہ وغیرہ) کررہا تھا۔

عوام الناس کی اکثریت نوجوانوں پر مشتمل تھی۔ جو دونوں ہاتھ بلند کرکے خوب جھوم جھوم کر نعتیں سُن رہے تھے۔ اس پروگرام میں جو نعتیں پڑھی جارہی تھیں اس میں کسی موسیقی کا استعمال نظر نہیں آرہا تھا۔ لیکن نعت گو، ذاکر (ذکر کرنے والا) اور ایکو ساؤنڈ سسٹم کے استعمال سے اس طرح کی سیٹنگ کی گئی تھی کہ بالکل موسیقی کی تال محسوس کی جاسکے۔ جیسا کہ فلمی نغموں میں ایسی موسیقی ہوتی ہے جس کے شروع ہوتے ہی کیا بچے کیا نوجوان ہر کوئی تھرکنے لگتا ہے۔ اسی طرح آج کل کے جدید نعت خواں پڑھنے لگے ہیں کہ بچہ بچہ تھرکنے لگتا ہے۔ نعت خواں کے نعت شروع کرتے ہی ایک ذاکر اس نعت کے لب و لہجے کے مطابق ایسا ذکر کرتا ہے جو سُر اور تال کا ملاپ ثابت ہوتا ہے اور نعت سُننے میں وہ سُرور آتا ہے کہ ہر کوئی جھومنے لگ جاتا ہے۔ جبکہ ذاکر جو اللہ کے نام کی تکرار کرتا ہے اس کی زبان سے لفظ اللہ واضح طور پر ادا بھی نہیں ہوتا۔ واضح رہے کہ یہاں نعت کے ساتھ ذکر کا استعمال موسیقی کی تال کے طور پر کیا جاتا ہے۔ نعت کا جیسا لب و لہجہ اور پڑھنے کا انداز ہوتا ہے اسی طرز پر ذاکر ذِکر کرتا ہے۔ موسیقی کے تال کے طور ذکر کا استعمال......؟

نعت خوانی کا جدید انداز دیکھ سُن کر مجھے اس کے مستقبل سے خوف محسوس ہونے لگا کہ یا الٰہی یہ کیا

ہو رہا ہے؟ لوگوں نے نعت گوئی کی صورت ہی مسخ کر دی۔ آج کے نعت خوانوں نے نعت خوانی کا حلیہ ہی بگاڑ دیا۔ آج یہ حالت ہے تو آنے والے کل میں اس سے بھی بُرا حال ہوگا؟ نعت خوانی میں یہ سب خرافات کیوں شامل کر دی گئی ہیں؟ ان میں سے بیش تر نعت خواں حضرات دعوتِ اسلامی سے وابستہ رہ چکے ہیں۔ وہ دعوتِ اسلامی کا کام چھوڑ کر اس کام کے لیے کیوں میدان میں اُتر آئے؟ کیا انھیں کثیر دولت، شہرت، عزت درکار ہے؟ یا حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح خوانی کے ذریعہ اپنی نجات اور لوگوں میں عشقِ رسول ﷺ کا جذبہ بیدار کر کے انھیں سرکار ﷺ کی اتباع کی طرف مائل کرنا؟ کیا آج کے یہ نام نہاد نعت خواں محفلِ نعت گوئی کے آداب بالکل ہی فراموش کر چکے ہیں؟

اس جدید طرز پر نعت خوانی پر اگر کوئی معترض ہوتا ہے تو نعت گو حضرات یہ ثابت کرنے میں اپنا پورا زور لگا دیتے ہیں کہ ہم نعت پڑھنے میں کسی قسم کے موسیقی کے آلات کا استعمال نہیں کرتے۔ لیکن کیا کوئی موسیقی کے آلات استعمال کیے بغیر منہ سے طبلہ، ستار، سارنگی وغیرہ آلات کی آواز نکالے اور نعت پڑھے تو ایسا کرنا جائز ہو جائے گا؟

ان نعت خوانوں کا ایک موقف یہ ہے کہ اس طرز کی نعتوں کی کشش سے نوجوان طبقہ جلد راغب ہو جاتا ہے۔ اور فلمی گانوں کو چھوڑ کر نعتیں سننے میں لگ جاتا ہے اور اس طرح وہ دینی ماحول سے وابستہ ہو جاتا ہے۔...... بمشکل ایک فی صد ہی ایسے لوگ ہوں گے جو اس طرزِ نعت سے متاثر ہو کر دینی ماحول میں آئے ہوں۔ ورنہ اکثر کا معاملہ صرف سننے تک ہی رہ جاتا ہے۔ ...... اور کیا لوگوں کو دینی ماحول میں لانے کے لیے، اسلام کے قریب کرنے کے لیے لہو ولعب کی اجازت دی جا سکتی ہے؟

نعت خوانوں میں سے اکثر کی آوازیں اس قدر باعثِ کشش نہیں ہوتیں اس لیے بے چارے مجبور ہیں کہ مصنوعی ذرائع کا سہارا لے کر اپنی آوازوں میں کشش پیدا کر کے لوگوں کی توجہ حاصل کریں۔ کیونکہ یہ حضرات ایکو ساؤنڈ کے بغیر سادہ مائک پر نعتیں پڑھنا پسند ہی نہیں کرتے۔ ورنہ ان کی پول کھل جائے گی۔ بلکہ اکثر صاحبان کو جب کسی پروگرام میں مدعو کیا جاتا ہے تو جب تک منتظم حضرات سے کسی ''مخصوص پارٹی'' کے ساؤنڈ سسٹم رکھنے کی یقین دہانی نہیں کرا لیتے اپنی تاریخ دینے کے لیے راضی نہیں ہوتے۔

پاکستان میں حالیہ چند برسوں میں نعت خوانی ایک بہترین کاروبار بن گیا ہے۔ جسے دیکھو نعت پڑھنے اسٹیج پر چڑھ جاتا ہے چاہے بے شرع اور بے عمل ہی کیوں نہ ہو۔ کراچی شہر ہی میں آئے دن کسی نہ کسی علاقہ میں نعت خوانی کے پروگرام ہوتے رہتے ہیں۔ اور ان پروگراموں میں لاکھوں لاکھ روپے صرف کیے جاتے ہیں۔ گنبد خضرا کی تصاویر سے مزین شان دار اسٹیج بنائے جاتے ہیں' دور سے دیکھنے پر یوں معلوم ہوتا ہے کہ نعت خواں مدینے شریف میں بیٹھ کر نعتیں پڑھ رہا ہے۔ وقفہ وقفہ سے دو یا تین یا چار افراد ایک

ساتھ نوٹوں کی گڈیاں لے کر آتے ہیں اور نعت خواں پر نوٹوں کی برسات کر کے پتہ نہیں اپنی فیاضی کا اظہار، دولت کی نمائش یا حصولِ ثواب کے طالب ہیں۔ ایک ایک رات میں نعت خواں حضرات لاکھ لاکھ روپے تک بٹور کر چلے جاتے ہیں۔

مجھے یہ بتایا گیا کہ کچھ عرصہ قبل تک پورے مہینے میں صرف ایک یا دو محافل ہوا کرتی تھی۔ لیکن اب تو یہ روز کا معمول بن گیا ہے۔ اور نعت خوانوں کا بھی گویا میلہ سا لگتا جارہا ہے۔ آئے دن نئے نئے نعت خواں جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ چونکہ روزانہ پروگرام ہونے کی وجہ سے مشہور و مقبول نعت خواں دست یاب نہیں ہوتے اس لیے نقالوں سے کام چلالیا جاتا ہے۔ اس طرح نئے لوگوں کے لیے بھی راہ ہم وار ہوجایا کرتی ہے۔

ان محافلِ میلاد کی تعداد میں اضافے سے کوئی یہ مطلب نہ نکالے کہ اس طرح سُنّیوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے یا اب لوگ پہلے سے زیادہ دین پر عمل پیرا ہوگئے ہیں۔ یہ بات ضرور واقع ہوئی ہے کہ نعت کی محافل اور کیو ٹی وی سے نوجوان نسل فلمی نغموں سے رُخ موڑ کر نعت گوئی کو پسند کرنے لگی ہے۔ پاکستان کے میوزک سینٹرز جہاں پہلے انڈین فلمی گانوں کے نئے البم کی تصاویر لگا کرتی تھیں آج اُن جگہوں پر نعت خوانوں کے البم کی بڑی بڑی تصاویر نظر آتی ہیں۔ اس کی ایک خاص وجہ یہی ہے کہ نعت گوئی آج خود فلمی انداز کی ہوگئی ہے۔ نعت خواں حضرات زرق برق لباسوں میں، رنگ دار عماموں میں اور میک اپ کر کے، کبھی ساحلِ سمندر پر، چٹانوں پر یا گھوڑوں پر رقص کناں انداز میں جب فلمی گانوں کے لب ولہجہ میں نعت پیش کرتے ہیں تو لازمی ہے اس میں ہر ایک کی دل چسپی کیوں نہ پیدا ہو۔

آپ خود غور فرمائیں کہ آج اکثر نعتیں جو بے حد مقبولِ عام ہیں اور جن کی ریکارڈ توڑ سیل ہوئی ہے وہ سننے والوں کی فہم سے بالاتر ہے۔ مثلاً **النبی صلوا علیه، یا سیدی ارحم لنا، ای واللّٰه** ...... وغیرہ نعتیں کتنوں کی سمجھ میں آتی ہیں۔ اس کے باوجود لوگ اس پر وجد کناں کیوں ہوجاتے ہیں؟ جبکہ نعتیں تو وہی مقبول ہونی چاہئیں جو زبانِ زدِ عام ہوسکے۔ اس کی واحد وجہ ان کے پڑھنے کا طریقہ ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کیو ٹی وی سے اب تک سُنّیوں کو بے حد فائدہ پہنچا۔ لیکن اس پر مکمل اعتماد کرنا بھی درست نہیں کہ اس میں بعض کام ایسے ہورہے ہیں جو شریعت سے متصادم ہے اور مستقبل میں بہت نقصان دہ ثابت ہوں گے۔ اللہ رب العزت ہم سُنّیوں کو دشمنوں کے ہر شر سے محفوظ رکھے اور کیو ٹی وی کے ذمہ داران کو بھی توفیق عطا فرمائے کہ وہ صحیح اسلامی تعلیمات کا فروغ کر کے دنیوی اور اُخروی بھلائی کا سامان کرے۔ آمین

نعت خوانی کا مقصد حضور ﷺ کی مدح سرائی کر کے آپ ﷺ کی خوش نودی کا حصول ہے۔ لیکن اس کے علاوہ نعت خوانی کا ایک اہم مقصد عوام الناس کو قریب لانا ہے۔ لیکن قریب لا کر صرف اور صرف نعت ہی سنانے سے کیا مقاصد حاصل ہوتے ہیں، یہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ اگر نعت خوانی کے بعد یا

درمیان میں کوئی عالمِ دین اصلاحی درس دے یا تقریر سے لوگوں کو صحیح تعلیم دین کی ترغیب دے تو بہت سود مند ہوگا۔ جیسا کہ دعوتِ اسلامی اور سُنّی دعوت اسلامی کے مبلغین کرتے ہیں یا اکثر علما کے جلسوں میں ہوتا ہے کہ تقریر سے پہلے نعت شریف سے سامعین کو اکٹھا کیا جاتا ہے اور ماحول بنایا جاتا ہے۔ لیکن آج صرف نعت خوانی سے کیا نتائج حاصل ہو رہے ہیں؟ کیا صرف نعتیں سُن کر ہی محظوظ ہونا عاشقِ رسول ہونے کی دلیل ہے؟

ہاں تو ذکر ہو رہا تھا کیو ٹی وی کے شب معراج کے پروگرام کا جس میں احقر شامل تھا۔ اس اسٹیج پر تقریباً تمام ہی نعت خوانوں نے یکے بعد دیگرے جدید طرز پر نعت خوانی کر کے لوگوں کے دلوں کو گرما دیا۔ صرف میرے رفیقِ محترم جناب سید صبیح رحمانی صاحب نے سادگی سے نعت کا ہدیہ پیش کیا۔ اس کے باوجود ان کو بھی وہی پذیرائی ملی، وہی داد ملی جو دیگر نعت خوانوں کو ملی۔ فرق صرف نعت پڑھنے کے انداز کا تھا۔ جب یہ انداز بھی پسند کیا جاسکتا ہے تو پھر جدید طریقۂ نعت کی کیا ضرورت ہے جس میں واضح طور پر لہو و لعب کا شائبہ ہو رہا ہے۔ آخر ان کی کیا مجبوری ہے کہ وہ اس اندازِ نعت کو ترجیح دیتے ہوئے اس کی حمایت میں لڑتے نظر آتے ہیں؟

دورانِ پروگرام کیو ٹی وی ''استخارہ'' پروگرام کے مشہور عامل مولانا بشیر صاحب فاروقی تشریف لے آئے۔ اور میرے بالکل ہی آگے تشریف فرما ہوئے۔ یہ حضرت کیو ٹی وی پر پردے کے پیچھے سے آن لائن رہ کر دنیا بھر کے پریشان حال لوگوں کے مسائل حل کرتے ہیں۔ روحانی عامل تو ہر علاقہ میں ایک سے بڑھ کر ایک موجود ہیں لیکن ٹی وی نے انھیں وہ مقبولیت عطا کردی ہے کہ پوری دنیا کے لوگ ان سے اپنے روحانی مسائل کے حل کے لیے رجوع کرتے ہیں۔ لیکن اکثریت کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ استخارہ فوری طور پر کیسے کیا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے تو وقت لگتا ہے۔ لیکن یہاں تو سائل فون پر مسئلہ دریافت کرتا ہے اور عامل فوری جواب دے دیتے ہیں۔

مولانا بشیر صاحب فاروقی دعوتِ اسلامی سے وابستہ ہیں۔ اور سیلانی سینٹر کے نام سے ایک رفاہی ادارہ چلاتے ہیں جس کے تحت بڑے پیمانے پر غریبوں، محتاجوں اور مسکینوں کی مدد کرتے ہیں۔

پروگرام کے اخیر میں اویس قادری صاحب نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا کلام قصیدۂ معراجیہ مکمل پڑھا۔ اور یہ واضح کیا کہ ٹی وی کی تاریخ میں پہلی بار پورا قصیدۂ معراجیہ آج پڑھا جارہا ہے۔

اختتام پر مولانا بشیر فاروقی صاحب نے بڑے ہی رقت انگیز انداز میں ہر ایک کے لیے دعا کی۔ اور لوگوں کو عمل کی ترغیب بھی دی۔

پروگرام ختم ہوتے ہوتے صبح کے چار بج گئے۔ سب شرکا تیزی سے نکلنے لگے۔ ہم نے بھی ایک دوسرے کو تلاش کیا اور گاڑی میں اپنی اپنی منزل کی جانب نکل پڑے۔

آنے والوں دنوں میں عارف جامی صاحب سے مسلسل ملاقاتیں رہیں۔ وہ بھی روزانہ مجھ سے میرا پروگرام دریافت کرتے اور جو بھی کام ہوتا، جہاں بھی جانا ہوتا وہ اپنی ڈیوٹی کے بعد مجھے ضرور لے جاتے۔ گزشتہ صفحات پر مجھ سے ایک سہو ہوگیا کہ عارف جامی کو میں نے علامہ عبدالستار ہمدانی صاحب سے جدالممتار کی جلد دوم فراہم کی۔ واضح رہے کہ ہم نے انھیں جلد اوّل کی اسکین کی گئی سی ڈی فراہم کی۔ عارف جامی صاحب کو اردو، عربی، انگریزی پر یکساں مہارت حاصل ہے۔ اور ان کی فطرت بھی جستجو پسند ہے۔ اس لیے مجھے ان سے مستقبل میں بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔

عارف جامی صاحب کے ہم راہ میں کراچی کے مختلف علاقوں کے مکتبوں پر گیا اور اپنے ضرورت کی کتابیں جمع کرتا رہا۔ سبزی منڈی علاقہ میں واقع دعوتِ اسلامی کا مرکز فیضانِ مدینہ چند برسوں سے قائم ہو جانے کی وجہ سے وہاں کئی مکتبے کھل گئے ہیں۔ جہاں دعوتِ اسلامی کے مبلغین کے استعمال کی اشیا کے ساتھ کتابیں، سی ڈیز، گفٹ آئٹمز وغیرہ ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ کھارادر کا علاقہ جو سُنّی کتابوں کا مرکز ہے۔ یہاں امسال مزید کئی نئی دکانیں کھل گئی ہیں۔ کئی نئے ہفت روزہ، ماہ نامے اور ادارے وجود میں آگئے ہیں۔ جو یہاں کی دینی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ لیکن یہاں یہ واضح کردوں کہ عالمِ اسلام کا سب سے بڑا شہر، آبادی کے اعتبار سے کراچی ہے جس کی آبادی ایک کروڑ سے زائد ہے۔ اس لیے ایک محتاط اندازے کے مطابق کراچی میں سُنّی مسلمانوں کی کم سے کم تعداد ستر لاکھ تو ہوگی ہی۔ اس لیے سو پچاس دینی ادارے، ماہ نامے یا ہفت روزہ ہوتے ہوئے بھی بہت کم ہیں۔

یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوتی ہے کہ یہاں بعض تنظیموں نے دینی کاموں کے ساتھ سماجی، سیاسی، رفاہی کاموں کی طرف بھی توجہ مبذول کروی ہے۔ جس کی وجہ سے اپنے لوگ اور بھی زیادہ مسلک سے جڑے رہ سکتے ہیں۔ مادّیت پرستی کے دور میں یہ سب بہت ضروری ہوگیا ہے۔ ایک ملاقات میں مولانا نجم مصطفائی صاحب نے، جو ردِّ دیوبندیت پر کئی بہترین کتابوں کے مصنف ہیں، نے بتایا کہ یہاں عیسائی مشنریز بھی بہت کام کررہی ہے۔ یہ غریب لوگوں کو کھانا، کپڑا اور دیگر سہولیاتِ زندگی کا لالچ دیکر اپنے قریب کرتے ہیں پھر آہستہ آہستہ اُن میں عیسائیت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اسی لیے انھوں نے ایسے ایک گروہ کو جو کہ عیسائیت کی شاطرانہ چالوں سے متاثر ہوچلا تھا، کو ان کے دامِ تزویر سے نکال کر ایک ادارہ قائم کیا جہاں اُن افراد کی کفالت کی جاتی ہے۔

مسعودِ ملّت ماہرِ رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نقش بندی سے ملاقات اُن کے گھر پر ہوئی۔ انھوں نے حال ہی میں یعنی اپریل ۲۰۰۵ء میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و خدمات پر سات جلدوں میں سوانح مرتب کی بعنوان ''جہانِ امام ربانی''۔ انھوں نے ایک سیٹ بطور تحفہ احقر کو پیش کیا۔ اور اپنی تازہ مطبوعات سے بھی نوازا۔

حال ہی میں پروفیسر مسعود احمد صاحب کے مریدین و محبین نے ایک نیا سلسلہ شروع کیا ہے کہ وہ لوگ پروفیسر صاحب کو ''مجدّدِ عصرِ حاضر'' لکھنے اور کہنے لگے ہیں۔ اسی سلسلہ میں اُن کے ایک محقق مرید جناب عبدالستار طاہر صاحب نے ایک کتاب لکھی ''مجددِ عصرِ حاضر''۔ اس کتاب میں سب سے پہلے اُن کے گھر کے افراد پھر مریدین نے مسعودِ ملت صاحب کو مجددِ عصرِ حاضر تسلیم کیا ہے۔ جہانِ امام ربانی کانفرنس کے موقع پر ان کے مریدین نے اُن کی موجودگی میں انھیں ''مجدّد'' کے خطاب سے نوازا۔ اور حضرت نے کچھ تائید کی نہ مخالفت۔ اور اب تو ان کے مریدین اپنے رسائل و کتب میں بے محابہ انھیں مجدّد لکھے جارہے ہیں اور پروفیسر مسعود صاحب کی طرف سے خاموشی ہے۔ لیکن وہاں کے اکابر علما کرام نے انھیں اب تک ''مجددِ عصرِ حاضر'' تسلیم نہیں کیا ہے۔

اس سے قبل امیرِ دعوتِ اسلامی مولانا محمد الیاس قادری صاحب کو ان کے مریدین نے ''پندرھویں صدی کا مجدد'' ڈکلیر کردیا تھا اور اس نام سے ایک کتاب بھی شائع ہوگئی تھی۔ عطاریوں نے اپنی تحریروں میں انھیں مجدد لکھنے کا سلسلہ شروع کردیا تھا۔ لیکن مولانا الیاس قادری صاحب کی سخت تردید کے بعد یہ سلسلہ تحریری طور پر موقوف ہوگیا۔ لیکن شدت پسند عطاری مولانا الیاس قادری صاحب کو دل سے مجدّد مانتے ہیں۔ خیر یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے جس میں احقر اپنی کم علمی کے باعث ذاتی رائے دینے سے اجتناب ہی کرے گا۔ بندے کا کام ہی اُسے نام والا بناتا ہے۔ حضرت مسعود ملت ہوں یا مولانا الیاس قادری صاحب یا کوئی اور جنھیں مجدد کہا جاتا ہے۔ آج جو کچھ بھی ہیں اپنی خدماتِ دینی کے حوالے سے جانے جاتے ہیں اور لائق احترام بھی ہیں۔ لہٰذا اختلافی مسائل میں پڑنے کی بجائے اپنے کاموں کی طرف ہی توجہ دیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ مجدد ہونے نہ ہونے کا فیصلہ مریدین نہ کریں تو بہتر ہے کہ یہ فیصلہ وقت کے اکابر علما اور مشائخ عظام کریں تو ہی حل ہوسکتا ہے۔ ورنہ ہم اپنے اپنے پیروں کو مجدد قرار دیکر آپس میں ہی بحث و تمحیص میں لگ جائیں گے۔

ایک دن کراچی شہر میں صرف چند گھنٹوں کے لیے بارش ہوئی تو سارے اسکول، دفاتر اور اداروں میں چھٹیاں دے دی گئیں۔ بازار بند کردیئے گئے۔ اگلے دن بھی لوگ اپنے کاموں پر نہ جاسکے اور تقریباً سارا شہر بند ہی رہا۔ اس لیے کہ کراچی شہر کی سڑکوں پر چند گھنٹوں کی بارش سے پانی کھڑا ہوگیا تھا۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ سڑکوں پر نکاسی کی نالیاں نہ ہونے کی وجہ سے پانی جانے کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔ اس لیے اگلے چند دنوں تک سڑکوں پر پانی جمع رہا۔ میں حیران ہوکر سوچنے لگا کہ اگر یہاں ممبئی جیسی بارش ہوجائے تو سارا کراچی ڈوب ہی جائے۔ پتہ نہیں اس شہر کا کیسا سسٹم ہے۔

(باقی آیندہ ...... ان شاء اللہ)

رضا نامے

☆ محمد صادق رضا مصباحی، شعبہ تربیت تصنیف المجمع الاسلامی مبارک پور

رسائل و جرائد کی دنیا میں ایک اہم نام سہ ماہی افکار رضا ممبئی کا بھی ہے "افکار رضا" کو عام کرنے میں یہ رسالہ ایک اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی صاحب قبلہ کی ایما پر جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ کا شمارہ زینت مطالعہ بنا ۳۶×۲۳/ ۱۶ سائز کا یہ شمارہ ۱۰۴ر صفحات پر مشتمل ہے سرورق پر ڈاکٹر غلام غوث قادری کے مضمون (جو کہ اس شمارہ میں شامل ہے) کا ایک مختصر پیراگراف درج ہے شروع میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی شان میں مولانا بدرالقادری صاحب کی منقبت ہے میرا نہایت محدود علم اور سطحی و ناقص فکر موصوف کی منقبت کے کسی بھی لفظ پر انگلی رکھنے کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ حضرت مولانا بدرالقادری صاحب ہماری جماعت کے ایک زبردست عالم دین، خوش فکر شاعر، دانش ور اور مفکر ہیں کئی معرکہ آرا کتابوں کے مصنف بھی ہیں آپ کے کئی شعری مجموعے اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ مولانا کے بہت سے اشعار ایسے ہیں کہ جن سے فکرِ اقبال کا عکس نمایاں طور پر جھلکتا ہے۔ اس شمارہ میں اداریہ نہیں تحریر کیا گیا ہے شاید زبیر قادری صاحب کی مصروفیات نے دامن پکڑ لیا ہوگا۔ غزالیٔ دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ کا مضمون "اثر ابن عباس کا صحیح مفہوم" کے عنوان سے بہت عمدہ اور مفید ہے۔ یہ دراصل ایک سوال اور تفصیلی جواب کی شکل میں ہے اور اس مضمون پر حاشیہ بھی ہے شاید حضرت موصوف کے ہی قلم سے ہے حاشیہ کی پہلی سطر میں ایک حدیث شریف ہے اس کی عبارت یوں ہے اذا توضا العبد المسلم اذا المومن ... ظاہر ہے کہ خط کشیدہ لفظ کو او المومن ہونا چاہیے تھا اس کی ذمہ داری مقالہ نگار پر نہیں کمپوزر پر عائد ہوتی ہے۔ "حدیثِ نور اور حدیثِ سایہ کی تحقیق اسناد" کے حوالہ سے خلیل احمد رانا صاحب کا مضمون لائق تعریف ہے اور اہل سنت کے لیے فرحت و انبساط کا موجب بھی۔ مصنف عبدالرزاق کا جو نسخہ انڈیا سے شائع ہوا تھا اس میں مذکورہ روایت کو بعض شر پسند عناصر نے حذف کر دیا تھا لیکن بھلا ہو ڈاکٹر عیسیٰ بن عبداللہ بن محمد بن مانع الحمیری کا کہ انہوں نے اس کتاب کی از سر نو تحقیق کی ہے جس جز میں یہ روایت موجود ہے اس کے سرورق پر الجزء المفقود من الجزالاول من المصنف تحریر ہے۔ غالباً اس کی بارہ جلدیں ہیں یہ نسخہ راقم کے پیش نظر ہے اور ۱۰۵ صفحات پر مشتمل ہے ۱۶×۳۲/ ۸ سائز کے اس نسخہ کو لبنان بیروت سے نہایت اہتمام سے شائع کیا گیا ہے جس کی طرف مضمون نگار نے اس جملہ سے اشارہ بھی کیا ہے "(اب اس نسخہ پر بیروت لبنان میں تحقیق ہو رہی ہے) جو عن قریب شائع ہو رہا ہے" بلاشبہ مضمون لکھنے میں خلیل رانا صاحب نے غیر معمولی جدوجہد کی ہے۔ محمد نعیم برکاتی صاحب نے زرد جوتا پہننے کے

سلسلہ میں جو تحقیق وتخریج کی ہے وہ قابلِ ستائش ہے اور لائق مطالعہ بھی۔
"قلم رضا سے ہوا عمدہ بیانِ ختمِ نبوت کا" کے عنوان سے غلام مصطفیٰ قادری صاحب نے تقریباً ۵/ صفحات پر مشتمل اچھا مضمون لکھا ہے۔ تحریک ختم نبوت کا امام احمد رضا قدس سرہ نے جس انداز سے ردّ فرمایا ہے اس کی صرف ہلکی جھلک اس مضمون میں موجود ہے۔ اعلیٰ حضرت کی خدمات کے حوالے سے راقم یہ عرض کرنا چاہے گا کہ آپ کی کسی بھی ایک خدمت پر اگر تحقیق کی جاے تو اس کے لیے ہزاروں صفحات درکار ہیں۔ ان کی خدمات کے سلسلہ میں اتنے وافر مقدار میں لٹریچر فراہم ہونے کے باوجود یہ کہنا بجا ہے کہ ابھی کچھ بھی کام نہیں ہوا ہے۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب نے اعلیٰ حضرت کی نعت گوئی اور تنقیدی شعور کے حوالے سے کئی صفحات تحریر کیے ہیں۔ انہوں نے اپنے موضوع سے انصاف نہیں کیا ہے۔ آخر کے دو یا تین صفحات ہی موضوع کو محیط ہیں۔ ابتدائی صفحات میں وہ عنوان سے کھسک گئے ہیں ڈاکٹر غلام غوث قادری صاحب نے "امام اہل سنت کی دینی وفکری جہات۔ ایک مختصر جائزہ" کے تحت اعلیٰ حضرت کے ارشادات وفرمودات توحید سے لے کر دین کی ضروری باتوں تک تمام مسائل پر قلم بند کر دیے ہیں۔ اس موضوع پر شاید مضمون نگار نے پی، ایچ، ڈی کی ہے۔ محمد طیب خاں نے ڈاکٹر احمد بن عبدالرحمٰن القاضی کی ایک کتاب کا اردو ترجمہ کیا ہے اصل کتاب تو میرے سامنے سے نہیں گزری لیکن طیب صاحب کے سلیس اندازِ بیان، رواں تحریر اور دلکش اسلوب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے نہایت عمدگی سے ترجمہ کیا ہے۔ تقریباً ۱۶/ صفحات پر مشتمل یہ مضمون بہت معلوماتی ہے اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے یہ اس شمارہ کا سب سے طویل مضمون ہے۔ "مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان مکالمہ" کے عنوان سے یہ مضمون ہمیں ہمارے دشمنوں کے عزائم، مقاصد اور منصوبوں سے روشناس کراتا ہے۔
سراج الدین شریفی صاحب اچھا مضمون لکھ لیتے ہیں عنوان دیکھ کر میں چونک سا گیا کہ کہیں اس تحریر میں کسی کے خلاف گل افشانی نہ کی گئی ہو۔ مضمون کے مطالعہ کے بعد میرا قیافہ بالکل صحیح ثابت ہوا ان کی تحریر کا نشانہ اولاً مولانا اسید الحق عاصم القادری بدایونی اور ثانیاً مولانا خوشتر نورانی علیگ بنے ہیں۔ دراصل اس مضمون کا محرک مولانا اسید الحق صاحب کا وہ مقالہ ہے جو گزشتہ سال جام نور کے کئی شماروں میں بالاقساط شائع ہوا ہے۔ یہ مقالہ واقعۃً چونکا دینے والا تھا جن حقائق کا انہوں نے انکشاف کیا تھا اس سے شاید کسی کو انکار ہو۔ انہوں نے جو باتیں بھی لکھی تھیں سب دلائل و براہین کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھیں اس کی اشاعت کے دوران اور آج تک علمائے اہل سنت میں سے کسی کی جانب سے کوئی تردید نہیں ہوئی۔ یہ کہہ کر دامن نہیں جھاڑا جا سکتا کہ جامِ نور ہر جگہ نہیں پہنچتا اور نہ ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی بڑے عالم کو اس کی خبر نہیں ہوئی۔ اگر مولانا کی تحریر کردہ باتیں قابل تردید تھیں تو اس نازک مسئلہ پر اب تک کوئی تردیدی

تحریر آجانا چاہیے تھی۔ شریفی صاحب اگر اس حوالہ سے متردد تھے تو ان کو بالمشافہ مولانا اسید الحق سے گفتگو کرنا چاہیے تھی۔ تحریر کے ذریعہ اس مسئلہ کو اچھالنا تو شاید دانش مندی نہیں ہے (قدرے معذرت کے ساتھ) کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کے پیچھے شخصی منافرت کا جذبہ کارفرما ہو۔ شریفی صاحب لکھتے ہیں ''بہت ضروری ہے کہ علماے اہل سنت مذکورہ مسئلہ میں اپنے موقف کا واضح اعلان کریں اور مذکورہ تحریر کا سخت نوٹس لیں اگر قادری صاحب کا موقف صحیح ہے تو ان کے موقف کی حمایت کریں ورنہ مولانا اسید الحق اور مولانا خوشتر نورانی جیسے دیگر علما کے خلاف جو ایسے روایت شکن افکار ونظریات رکھتے ہیں یا وہ علما جو ذاتی مفادات کے تحت انفرادی طور پر دین وملت کے نام پر باطل علما سے اشتراک وتعاون کر رہے ہیں ان کے خلاف سخت ترین شرعی کارروائیاں کی جائیں۔'' خط کشیدہ جملہ اگر کسی عالم دین کے قلم سے ہوتا تو بہتر تھا۔ شریفی صاحب چونکہ غیر عالم ہیں اس لیے ان کے قلم کو اس طرح جملہ لکھنے کا حق قطعی نہیں پہنچتا۔ سخت ترین نوٹس لینے کا سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کسی چیز سے منفی پہلو کا ثبوت ہوتا ہو یہاں آپ کے خیال میں منفی اور مثبت کے درمیان کش مکش جاری ہے تو پھر مذکورہ جملہ کسی ''رازِ نہاں خانہ'' کی خبر دیتا ہے۔ یوں ہی مولانا اسید الحق کے ساتھ مولانا خوشتر نورانی کو بھی کٹگھرے میں کھڑا کرنا میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ محمد نعیم برکاتی صاحب نے اپنے ایک دوسرے مضمون بعنوان ''بعد وصال بھی فتویٰ دیتے ہیں'' میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی چند کرامتوں کا تذکرہ کیا ہے جس میں خواب کی باتیں زیادہ ہیں جو عقیدت پر مبنی ہیں۔

رضا نامے کی سرخی کے تحت جناب خورشید احمد سعیدی صاحب نے افکار رضا کے دو شماروں اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۴ اور جنوری تا مارچ ۲۰۰۵ کے مندرجات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ یہ دراصل سعیدی صاحب کا ایک طویل خط ہے جو دونوں کے تنقیدی جائزوں کو محیط ہے اتنے طویل خط کے لیے ''افکار رضا'' کے قیمتی صفحات شاید مناسب نہیں۔ یہ تنقیدی سلسلہ اگر تمام شماروں میں ہوتا تو بہت اچھا ہوتا جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ کا راقم نے جائزہ لیا تھا تو اس میں خورشید صاحب کی ایسی تحریر نہیں تھی۔ اہل سنت کے رسائل وجرائد میں صرف دو رسالوں کو اس حسین سلسلہ کا شرف حاصل ہے لیکن میں اس سلسلہ میں معذور ہوں کہ اولیت کا سہرا ''جام نور'' کے سر باندھوں یا ''افکار رضا'' کے۔ خورشید صاحب کے کچھ خیالات سے راقم کو کوئی اختلاف نہیں لیکن کچھ سے بغیر اختلاف کے گنجائش بھی نہیں۔ خورشید صاحب نے ایسی بہت سی غلطیوں کو جو کمپوزنگ کی مرہون منت ہوتی ہیں بڑی آسانی سے مضمون نگار کے کھاتہ میں ڈال دی ہیں۔ مثلاً صفحہ اور سطر نمبر کی نشان دہی کے ساتھ غلط کے ذیل الفاظ تحریر کیے ہیں اور ان کے آگے صحیح لفظ تحریر کیا ہے۔ مثال کے طور پر دو تین الفاظ ملاحظہ ہوں اضافتہ تشریف غلط ہے اضافۃ تشریف ہونا چاہیے تھا بیانیتہ غلط ہے بیانیۃ ہونا چاہیے تھا۔ اس طرح کی غلطیاں کمپوزنگ کی ہوتی ہیں اس لیے ان کو مضمون نگاروں کے سر منڈھنا قطعی

طور پر غلط ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں ''مجھے سمجھ میں نہیں آرہی'' یہاں میری سمجھ میں نہیں آرہا ہونا چاہیے تھا لیکن ہوسکتا ہے کہ یہ خورشید صاحب کے وطن کی زبان ہو۔ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ ''حیرانگی کی بات ہے'' حیرانگی کا لفظ صحیح نہیں حیرانی ہونا چاہیے۔ خورشید صاحب کے ایک دو جملوں سے راقم کو سخت حیرت ہوئی، فرماتے ہیں کہ ''علما، اشیاء، فقہا، عرفا وغیرہ لفظوں پر ہمزہ لکھنا اور پڑھنا ان کی صحیح کتابت اور نطق کا حصہ ہے۔

ایک جگہ اور لکھتے ہیں ''خدارا! اردو میں عربی کلمات کو صحیح و سالم رہنے دیا کریں مجھے سمجھ میں نہیں آتی کہ اردو تحریر میں عربی کلمات کی اصل شکل کو بگاڑ کر کون سے علمی، ادبی، ایمانی یا روحانی فوائد حاصل ہوتے ہیں'' یہ آپ کا انفرادی موقف ہو تو ہو لیکن اب تو بالعموم اردو ادبا نے بھی اس قبیل کے الفاظ سے ہمزہ حذف کر دیا ہے حتی کہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے بہار شریعت میں جسے حضرت نے خود اپنے اہتمام سے شائع فرمایا تھا اولیا علما کو بغیر ہمزہ کے رکھا ہے۔ ویسے تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ سعیدی صاحب وسیع المطالعہ شخص ہیں اور انگریزی زبان و ادب میں خاصی مہارت رکھتے ہیں۔

''میرے رضا کا پاکستان'' کے عنوان سے زبیر قادری صاحب (مدیر اعلیٰ) کے پاکستان کے سفر نامہ کی پہلی قسط ہے پتا نہیں کتنی قسطیں قارئین کو پڑھنا پڑیں گی۔ پچھلے شمارہ (اپریل تا جون ۲۰۰۵ء) میں بھی سفر پاکستان کی چھٹی و آخری قسط تھی۔ اس شمارہ کے سفر نامہ میں بھی کوئی معلومات کی چیز نہیں سوائے یہ کہ کوئی صاحب جد الممتار علی رد المحتار کی تخریج و تحشی پر تحقیقی کام کر رہے ہیں یہ قسط بھی ان کے وسیع تعلقات کی عکاس ہے اور بس۔

☆ نعیم احمد برکاتی، کول پیٹ، ہبلی، کرناٹک

عرض یہ کہ اس بار کے موصول شدہ ''افکار رضا'' کے شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء کے صفحہ ۹۲ پر جناب خورشید احمد سعیدی صاحب نے ہمارے ایک مضمون ''فلاح دارین'' پر جو تنقید کی ہے اُس میں اکثر تو کمپیوٹر کتابت کی غلطیاں ہیں، جنہیں سیدھے مصنف یا مرتب پر چسپاں کر دینا تو جناب خورشید احمد سعیدی صاحب کا معمول ہی ہے، جیسا کہ سابقہ بار بھی انھوں نے کیا تھا۔ اب آپ اس کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں:

۵۔ کے تحت انھوں نے لکھا ہے کہ ''وہ غزوۂ حنین کے دن اللہ تعالیٰ کے فضل کو بھول گئے۔ صحابۂ کرام کے بارے میں ایسے الفاظ لکھنا درست نہیں۔'' وغیرہ

یہ بات تو بالکل درست ہے، جس کا انکار تو کوئی وہابی ہی کرسکتا ہے لیکن کتاب ''احیاء العلوم'' سے یہ ترجمہ ہم نے ہو بہو نقل کیا ہے، صرف حوالہ نہیں لکھا گیا۔ حوالہ یہ ہے: احیاء العلوم (اُردو مترجم) جلد سوم صفحہ نمبر ۸۴۰ اُردو ترجمہ از: مولانا محمد صدیق ہزاروی مطبوعہ پروگریسیو بکس، لاہور و فاروقیہ بک ڈپو، دہلی

۶۔ کے تحت انھوں نے لکھا ہے کہ ''ان کا یہ جملہ کہ آپ درود نے عُجب کو بہت بڑا گناہ قرار دیا،

کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا''۔

یہاں پر کمپیوٹر کی غلطی سے ''آپ ﷺ'' کی جگہ ''آپ درود'' کتابت ہو گیا ہے، جو مصنف کی نہیں بلکہ سراسر کتابت کی غلطی ہے۔ جسے مصنف پر دھرنا صحیح نہیں۔

۷۔ کے تحت لکھا ہے کہ ایک جملہ ہے: ''بے شک حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں ہوں'' یا اللہ! انہوں نے یہ کیا لکھ دیا ہے؟ وغیرہ۔

یہ ہم نے نہیں لکھا بلکہ یہاں بھی کمپیوٹر کتابت کی غلطی سے ایک سطر ہی چھوٹ گئی ہے۔ جو اس طرح ہے، ہماری اصل کاپی میں۔

بے شک حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو ان سے پوچھا گیا کہ (آج) سب سے زیادہ علم والا کون ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ میں ہوں۔ الخ

آخر میں جناب خورشید احمد سعیدی صاحب سے التماس ہے کہ آپ کو اگر ''افکارِ رضا'' کے مضامین پر تبصرہ لکھنا ہو تو پہلے مضمون نگار کی، مدیر اعلیٰ محمد زبیر قادری صاحب کو ارسال کردہ اصل کاپی منگوالیں۔ پھر تبصرہ لکھیں۔

☆ محمد قطب الدین رضوی، (دربھنگہ) المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

''افکارِ رضا'' اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ فردوس نگاہ ہے۔ سرورق پر کشش اور جاذب ہے سرورق پر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری کا اقتباس ہے۔ جس میں انہوں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تحریک محبت کو سینے سے لگانے کی اپیل کی ہے اور اسے وقت کی ضرورت قرار دیا ہے۔ اس شمارے کے جملہ مشمولات حسب سابق لائق مطالعہ ہیں۔ اس شمارے کا پہلا مضمون ''عیسائی فرقان حق۔ نقد و تجزیہ'' ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی کا ہے۔ جس عنوان پر موصوف نے قلم اٹھایا ہے وہ وقت کی ضرورت ہے۔ ہم مسلمانوں کی غفلت دیکھ کر عیسائیوں اور یہودیوں نے اسلامی تعلیمات اور افکار و نظریات کی اصل تصویر کو مسخ کرنے کی جو مذموم کوشش کی ہے وہ وقت کا بڑا المیہ ہے۔ عیسائی اور یہودی آج سے نہیں بلکہ شروع ہی سے اسلام اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے درپے ہیں، جس کے لیے پہلے تو انہوں نے تیغ و سنان کا استعمال کیا لیکن جب اس سے کامیابی نہ ملی اور انہیں یقین ہو چلا کہ جب تک مسلمانوں کی پشت پناہی میں تعلیمات اور افکار و نظریات کی غیر معمولی قوت کارفرما رہے گی ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تو انہوں نے افکار و نظریات پر حملہ شروع کر دیا اور دنیا کے سامنے اس کی اصلی تصویر مسخ کر کے پیش کرنے لگے۔ ''الفرقان الحق'' کی اشاعت اسی کا ایک باب ہے۔ عیسائیوں کے ذریعے ترتیب دی ہوئی یہ کتاب شروع سے اخیر تک اسلام مخالف مواد سے بھری پڑی ہے۔ اس طرح کا نقد و تجزیہ تقاضائے وقت کے عین مطابق ہے۔ اس

کاوش پر ڈاکٹر صاحب پوری جماعت کی جانب سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔ البتہ یہاں ایک کمی یہ محسوس کی جاسکتی ہے کہ ۲۷ صفحات پر مشتمل اس طویل ترین مضمون میں فرقانِ حق کے تعلق سے صرف تین چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک تو یہ کہ عیسائیوں نے قرآن حکیم کی آیتوں میں جا بجا حذف و اضافہ اور من مانی پیوند کاری کر کے ''فرقان حق'' کی ترتیب دی ہے۔ دوسری چیز یہ کہ عیسائیوں کے ذریعے ترتیب دی ہوئی اس کتاب میں پیارے محبوب دانائے غیوب ﷺ کی شان اقدس میں نا زیبا کلمات استعمال کیے گئے ہیں اور تیسری چیز یہ ہے کہ اس ''فرقانِ حق'' میں موجود بسملہ کا قرآن حکیم کے بسملہ سے تقابل پیش کیا گیا ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ علم و آگہی کے جویاؤں کے لیے اس بڑے فتنے کے متعلق محض اتنی معلومات کافی نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اگرچہ ابتدا ہی میں یہ لکھ کر عذر پیش کر دیا ہے کہ ''اس کے تمام عنوانات پر نقد و نظر ایک رسالے کے مضمون پر ممکن نہیں۔ تفصیل سے بعد میں اس پر لکھوں گا۔ فی الحال کچھ حقائق پیش ہیں'' مگر پھر بھی موصوف ضمنی باتوں کو اختصار کے ساتھ بیان کر کے اتنے صفحات میں بہت ساری باتیں سمیٹ سکتے تھے۔ خیر! اس تحقیقی شاہ کار پر ہم ڈاکٹر صاحب کو مبارک باد پیش کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ آئندہ شمارے میں مزید پہلوؤں کا جائزہ لیں گے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے دو فتوے بھی زینت شمارہ ہیں ایک رافضیوں کے سلسلے میں کہ انہوں نے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت کلماتِ اذان میں ''خلیفۃ رسول اللہ بلا فصل'' کا اضافہ کر دیا ہے، اس کا حکم کیا ہے اور اس کا سننا کیسا ہے؟ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اپنے فتوے میں اس کلمے کا پورا پس منظر پیش فرما کر اسے حضرات خلفاے ثلثہ کی توہین قرار دیا ہے اور پھر اس کے بعد دلائل سے یہ بھی ثابت فرمایا ہے کہ یہ کلمہ خود روافض کے مذہب کے بھی خلاف ہے۔ جناب محمد شریف رضا عطاری نے بعض ضروری مقامات پہ حواشی لگا دیے ہیں جس کی وجہ کر اس سے استفادہ آسان ہوگیا ہے۔ دوسرا فتویٰ ہمزاد کو قابو میں کرنے کی حقیقت کے سلسلے میں ہے۔ یہ فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد نمبر ۲۱ سے ماخوذ ہے۔ اس میں ہمزاد کی پوری تفصیل اور اسے قابو میں کرنے کی پوری تحقیق ہے۔

''المدد یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہٗ کی تقریر ہے۔ جس کی ترتیب و تخریج کا سہرا جناب خلیل احمد رانا کے سر ہے۔ اس میں بہت ہی تفصیل سے دلائل کے ذریعے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور اولیاے کرام سے مدد مانگنے کو ثابت کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اس پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات بھی دیے گئے ہیں۔ رانا صاحب تھوڑی اور محنت کرتے تو مضمون کی دلکشی مزید بڑھ جاتی۔ تکرار مفاہیم نے اس کی جامعیت پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے۔ نیز پورے مضمون میں اندازِ خطابت غالب ہے۔ رانا صاحب چاہتے تو جابجا موجود تقریری جملے حذف کر سکتے تھے۔

اس مضمون میں زبان و بیان کی کچھ غلطیاں راہ پا گئی ہیں۔ جو ذوقِ سلیم پر بار محسوس ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک جگہ ہے "کارِ خیر کے کاموں میں" "لب دریا کے کنارے" والی ترکیب کی جنس سے ہے جو کہ ایک بڑی فحش غلطی ہے اور اس سے قارئین کے ذہن و دماغ پر غلط اثر پڑتا ہے۔ ایک جگہ "بااعتماد" ساتھی" استعمال کیا گیا ہے۔ "بااعتماد" کی جگہ "معتمد" کا لفظ زیادہ مناسب ہے۔ ایک جگہ تحریر ہے "اس حدیث کے ایک طرقِ روایت میں" ایک کے ساتھ طرق کا استعمال میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

"امام احمد رضا اور ان کی وعظ گوئی" مولانا رحمت علی مصباحی ویشالوی کی کاوش ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اعلیٰ حضرت کی ذات ایک بحرِ ناپیدا کنار تھی جس جہت سے آپ کی ذات کا مطالعہ کیا جائے وہ یگانہ اور ممتاز نظر آتا ہے۔ ماضیٔ قریب میں آپ کی ذات پر بہت کام ہوا اور اب بھی ہو رہا ہے لیکن اس کے باوجود اب بھی اعلیٰ حضرت کی ذات کے کئی ایک پہلو پردۂ قلم میں ہیں جن کی طرف کسی صاحبِ قلم نے اپنے قلم کو مہمیز نہیں دی۔ انہیں میں ایک پہلو آپ کی وعظ گوئی بھی ہے جو اب تک ہماری بے توجہی اور بے اعتنائی کا شکار رہا۔ خوشی کی بات ہے رحمت صاحب نے اس پہلو کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن پھر بھی اس سے اس پر پوری طرح روشنی نہیں پڑتی اور تشنگی باقی ہی رہ جاتی ہے۔

اس مضمون میں زبان کی رو سے کچھ غلطیاں بھی در آئی ہیں جن کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں "کتنے ہی واقعات ملتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے"، "واقعات" کی مناسبت سے یہاں "جن" ہونا چاہیے۔ یوں ہی ایک جگہ لکھتے ہیں "پیشہ ور مقررین کی وعظ و تقریر اور اس کی مجلسوں میں "یہاں" کی "کی جگہ" کے "اور" اس کی جگہ "ان" ہونا چاہیے۔ ایک جگہ موصوف نے "سلسلہ" کو مؤنث استعمال کیا ہے جب کہ یہ مذکر ہے۔

حوالے میں ایک جگہ مضمون نگار سے بڑی فحش غلطی ہوئی ہے۔ اعلیٰ حضرت کا ایک اقتباس نقل کر کے انہوں نے یہ حوالہ دیا ہے "امام احمد رضا اور ردِّ بدعات و منکرات ص۴۴۱، ۴۴۶ بحوالہ فتاویٰ رضویہ"۔ اولاً تو میں بہت حیران ہوا کہ فتاویٰ رضویہ "میں" ردِّ بدعات و منکرات کا حوالہ کہاں سے آ گیا کہ موصوف اس کے واسطے سے "ردِّ بدعاتِ و منکرات" کا حوالہ دے رہے ہیں۔ غور و خوض کے بعد پتہ چلا کہ "فتاویٰ رضویہ بحوالہ امام احمد رضا ردِّ بدعات و منکرات" ہونا چاہیے۔ موصوف سے ایک میری گذارش ہے کہ جب کتاب دستیاب ہو تو دوسری کتاب کے واسطے سے اس کا حوالہ نہ دیں بلکہ بلاواسطہ اسی کتاب کا حوالہ دیا کریں۔

"تھیس اور تحقیقی مقالہ نگاروں کے لیے رہنما اصول اور تجاویز" خورشید احمد سعیدی صاحب کی کاوش ہے اس میں بڑے اختصار کے ساتھ اہم اور ضروری اصول و تجاویز پیش کیے گئے ہیں۔ یہ اصول اور

تجاویز دراصل پروفیسر مسعود احمد نے اپنے خطوط میں تحریر کیے تھے جنھیں بعد میں ''مکتوباتِ مسعودی'' کے نام سے شائع کیا گیا۔ سعیدی صاحب نے اسی مجموعے میں بکھرے ہوئے پھولوں کی خوشہ چینی کر کے ایک گلدستہ تیار کیا ہے ان کی یہ کاوش لائق تحسین ہے۔

''اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا، رضی اللہ عنہ کہنے پر مخالفین کے شبہات کا جواب'' بحرالعلوم مفتی عبدالمنان صاحب کی تحریر ہے۔ حیرت ہے کہ جب ہم یہ القاب و آداب اپنے بزرگان دین کے ساتھ لکھتے ہیں تو واویلا مچایا جاتا ہے اور وہ اپنے پیش واؤں کے نام کے ساتھ بڑی شان سے لکھتے ہیں۔ مفتی صاحب قبلہ نے ان کلمات کی تشریح کر کے اعتراضات وشبہات کے جو تحقیقی جوابات سپرد قلم کیے ہیں وہ مخالفین کو ساکت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ یقیناً غیر متعصب آدمی اگر انصاف پسندی کا دیا جلا کر پڑھے گا تو حق کے قبول کرنے میں پس و پیش میں مبتلا نہ ہوگا۔

''امام احمد رضا خاں علمائے ازہر کی نظر میں'' نوجوان فاضل تاج محمد خاں ازہری صاحب کا مضمون ہے۔ کمپوزر کی مہربانی سے ''ازہر'' کی جگہ ''اظہر'' ہوگیا ہے فہرست میں بھی ''اظہر'' ہی کمپوز ہے۔ ازہری صاحب کا یہ مضمون تین صفحات پر مشتمل ہے۔ دو صفحات میں تو تمہیدی کلمات ہیں اور ایک صفحے میں امام احمد رضا قدس سرہٗ کے تعلق سے علمائے ازہر کے تاثرات قلم بند کیے گئے ہیں۔ یہ موجودہ زمانے کی طرزِ نگارش کے خلاف ہے۔ آج کم سے کم تمہید کو زیادہ پسند کیا جاتا ہے اس لیے کوشش یہ ہونی چاہیے کہ تمہید مختصر اور جامع ہو اور مضمون کا سارا مواد عنوان پر گردش کر رہا ہو۔ نیز اس مضمون میں ایک کمی یہ ہے کہ مضمون نگار نے کہیں بھی حوالہ دینے کی زحمت گوارا نہیں کی ہے۔

آخری مضمون مبلغ اسلام علامہ عبدالمبین نعمانی مصباحی کا ہے جو تصنیفات اعلیٰ حضرت کی اشاعت سے متعلق چند گزارشات پر مبنی ہے۔ یہ مضمون موصوف کے دل میں پنپنے والی دینی حمیت وغیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ بہت ہی افسوس ناک پہلو ہے کہ آج ساری توجہ مال وزر کے حصول کی طرف مبذول کر لی گئی ہے جس کی وجہ سے ہماری کتابوں میں مضحکہ خیز خامیاں راہ پا جاتی ہیں۔ ناشرین حضرات کو نشاندہی کی گئی خامیوں کی طرف فوری طور پر توجہ مبذول کرنی چاہیے۔ ان گزارشات کے باب میں ایک اضافہ میں یہ کرنا چاہوں گا کہ ایک کتاب جب کسی مکتبے سے شائع ہو رہی ہو تو دوسرے مکتبہ والے اس کتاب کو شائع نہ کریں بلکہ اس کی جگہ دوسری کتاب شائع کریں تو یہ زیادہ بہتر اور مفید ثابت ہوگا۔

اس کے بعد ایک صفحے میں ''المجمع الاسلامی مبارک پور'' کا ایک مختصر تعارف ہے یقیناً اس ادارے نے تصنیف واشاعت کے میدان میں بڑی اہم خدمات انجام دی ہیں۔ جو آبِ زر یں سے لکھنے کے قابل ہیں۔ یہ خبر بھی باعث مسرت ہے کہ اس کے تحت شائقین کو باضابطہ تصنیف و تالیف کی تربیت دی جا رہی

ہے۔ اب تک کہیں اس کا باضابطہ انتظام نہ تھا۔ اس کی طرف پیش قدمی مثبت نتائج کی غماز ہے۔

آخری کالم ''رضا نامے'' کا ہے۔ اس کے تحت ڈاکٹر صابر سنبھلی، مولانا نعیم برکاتی، خورشید احمد سعیدی اور غلام مصطفیٰ قادری کے خطوط پڑھے۔ آج کل افکار رضا میں ایک نئی بحث یہ چل پڑی ہے کہ وہ الفاظ جن کے اخیر میں عربی زبان میں ہمزہ آتا ہے آیا اردو میں یہ ہمزہ باقی رہے گا یا نہیں۔ غالباً اس سے پہلے والے کسی شمارے میں سعیدی صاحب نے ہمزہ کے حذف کو تحریف قرار دیا تھا۔ ڈاکٹر صابر سنبھلی نے اپنے خط میں سعیدی صاحب کا اچھا جواب رقم کیا ہے۔ مجھے سعیدی صاحب پر تعجب ہے کہ انہوں نے اردو میں ہمزہ نہ لکھنے کو کیوں کر تحریف قرار دیا؟

مولانا نعیم برکاتی اپنے خط میں سعیدی صاحب پر کچھ برہم سے نظر آرہے ہیں۔ ان کی تحریر میں جارحانہ تیور غالب ہے۔ اس تیور کے استعمال کرنے میں پس پردہ کیا عوامل کارفرما ہیں میں سمجھنے سے قاصر ہوں البتہ اتنا عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ اس جیسی تحریر سے آپسی اتحاد و اختلاف میں دراڑ آئے گا، ایسے ہی ہمارے درمیان اتحاد کا فقدان ہے، خدارا اسے مزید اختلاف سے بچایئے۔

اخیر میں مدیر محترم سے گزارش ہے کہ مضامین کے انتخاب میں اور پھر کمپوزنگ کے بعد تصحیح میں خاص توجہ مبذول کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے محبوب ﷺ کے صدقے رسالے کو مزید ترقی عطا فرمائے۔ آمین

☆ **محمد ساجد رضا دیناج پوری، درجہ ثامنہ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور**

ماہنامہ افکار رضا جنوری تا مارچ ۲۰۰۶ء اپنی تمام تر دلکشی، رعنائی، اور جلوہ سامانیوں کے ساتھ زینت نگاہ ہے۔ سرورق دیدہ زیب اور خوش نما ہے، ۹۶ رصفحات پر مشتمل ۱۶= ۳۶×۲۳ سائز کا یہ مجلہ باذوق قارئین کے لیے ایک قیمتی تحفہ ہے۔ سرورق پر سید وجاہت رسول قادری کراچی کا ایک اقتباس ہے، جو امام احمد رضا فاضل بریلوی کے تجدیدی کارناموں اور تحفظِ ناموس رسالت کے تعلق سے ان کی گراں قدر خدمات کا آئینہ دار ہے۔ ص ۲ پر تضمین بر کلامِ رضا کے عنوان سے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے مشہور دعائیہ کلام ''یا الٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو'' پر محمد قاسم حسین ہاشمی مصطفائی کی خوب صورت تضمین ہے جو موصوف کی فنی صلاحیتوں کا مظہر ہے، تضمین کے دوسرے مصرعے کی کمپوزنگ اس طرح ہوئی ہے ''شمع ء لولاک نور کبریا کا ساتھ ہو'' یہاں شمع کی اضافت لولاک کی طرف ہے، لیکن مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان ہمزہ کا اضافہ ہماری محدود فہم وفکر سے بالاتر ہے۔ ہوسکتا ہے قاسم صاحب کے یہاں فنِ شاعری میں اس طرح کا اضافہ روا ہو، مقطع کی کتابت اس طرح ہوئی ہے ''یا الٰہی رضا خواب گراں سے سر اُٹھائیں'' جب کہ صحیح مصرع'' یا الٰہی جب رضا خواب گراں سے سر اُٹھائے'' ہے، شعر وسخن میں اس طرح کا

تصرّف رَد، نہیں، اس سے شعر کا حسن متاثر ہونے کے ساتھ فنی وعروضی خامیوں کا بھی امکان ہے۔ محمد نعیم برکاتی کا مضمون ''نماز کے چند اہم مسائل'' اعلیٰ حضرت کی تحقیقات کے حوالے سے قابل قدر ہے، موصوف نے حوالہ جات میں مطبع کی صراحت نہیں فرمائی ہے۔ جس کے سبب ماخذ تک پہنچے میں ہمیں کافی دقت کا سامنا کرنا پڑا، اس کا التزام چاہیے۔ علامہ شہزاد مجددی کی تحریر ''طائر سدرہ نشیں روح القدوس علیہ السلام کا کلامِ رضا میں تذکرہ'' قیمتی اور معلوماتی ہے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نہ صرف ایک متبحر عالم و فاضل بلکہ سچے عاشقِ رسول بھی تھے، اس لیے ان کی نعتیں عشق ومحبت کے چھلکتے جام ہیں، وہ محض نعت گو ہی نہیں تھے بلکہ انہیں شاعری میں بلند مقام حاصل تھا، وہ ہر قسم کے واقعات، مناظر، وارداتِ شعر میں نہایت خوش اسلوبی سے بیان کرسکتے تھے۔ علامہ موصوف نے اپنی اس تحریر میں کلامِ رضا کے ایک اہم گوشے کی طرف توجہ دلائی ہے، حضرت جبریل امین حضور ﷺ کے محرم راز بھی ہیں اور مشیر خاص بھی، قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ان کا تذکرہ آیا ہے، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بھی حضرت جبریل کی شان میں متعدد اشعار کہے ہیں مضمون نگار نے اہم مقامات کی نشاندہی کے ساتھ ان کے پس منظر و پیش منظر کی طرف مستند کتابوں کے حوالے سے اشارہ کیا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ کی تحقیق، حضرت جبریل کے فضائل و مناقب، حضور سے والہانہ عقیدت کو نہایت نفیس پیرائے میں بیان کیا ہے۔ امید ہے کہ ہمارے دیگر اصحاب قلم بھی اس طرح کے مضامین سپرد قلم فرمائیں گے۔ مضمون میں بعض جملے قابل توجہ ہیں مثلاً ''آفاق تلاش کرنے کی جستجو میں لگے رہتے ہیں'' تلاش اور جستجو ہم معنی ہیں لہٰذا یہ ترکیب شب لیلۃ القدر کی طرح ہے یوں ہی ''فرشتوں کے وجود اور صفات و کمالات پر ایمان رکھنا مسلمان کی بنیادی شرائط میں سے ہے'' یہاں اسلام کے بنیادی شرائط یا مسلمان ہونے کے بنیادی شرائط ہونا چاہیے، قرآن کریم علمائے دیوبند کی نظر میں'' خلیل احمد رانا کی چشم کشا اور تجزیاتی تحریر ہے۔ انہوں نے (قرآن کریم کے تعلق سے علمائے دیوبند کی گستاخانہ اور توہین آمیز عبارتوں کو طشت از بام کیا ہے۔ علمائے دیوبند کی پرانی عادت رہی ہے کہ جب ان سے نام وسکونت مخفی رکھ کرفتویٰ لیا جائے تو وہ صحیح حکم بتاتے ہیں لیکن جب معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ اپنا ہی ہے تو وہ بے جا تاویل پھر رجوع کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ موصوف نے اس مختصر مضمون میں اپنے ایک دوست صفدر صاحب کے ساتھ پیش آمدہ واقعات کے حوالے سے اس حقیقت کی نقاب کشائی فرمائی ہے اور ان کے گمراہ کن عقاید کو واشگاف کیا ہے۔ ''تعظیم قرآن اور امام احمد رضا'' کے ذیلی عنوان کے تحت ان کی تحریر پُر مغز ہے۔ ہاں زبان و بیان کی بعض خامیاں در آئی ہیں مثلاً ص ۲۸ پر رقم طراز ہیں'' آپ کے اس جہالت بھرے اور پُر دھوکہ جواب پر میری طرف سے سر دست الخ'' میری محدود معلومات کے مطابق اردو زبان و ادب میں پُر فریب تو مستعمل ہے لیکن ''پُر دھوکہ'' مستعمل نہیں۔ ایک بات جو پورے رسالے میں قدر مشترک ہے وہ یہ

کہ کہیں علما، فقہا، شعرا، خطبا، فقرا جیسے الفاظ کو ہمزہ کے ساتھ لکھا گیا ہے اور کہیں بغیر ہمزہ کے۔ اس سلسلے میں اردو ادب کے قواعد کے مطابق ہمزہ نہ ہونا ہی درست ہے ہاں بعض روایت پسند حضرات اور قدامت پسند علمانے اس سے اختلاف کیا ہے، شاید مدیر زبیر صاحب دونوں ہاتھ میں لڈو چاہتے ہیں۔

''درسی کتب اور خدماتِ علمائے اہل سنت'' کے حوالے سے محمد شریف رضوی عطاری کی تحریر معلومات افزا ہے۔ ہندستان کے مدارس اسلامیہ میں رائج درسی کتب پر حواشی بالعموم اہل سنت ہی کے تھے، جن کی طباعت و اشاعت کا کام بھی اہل سنت ہی انجام دیتے تھے، لیکن انیسوی صدی کے نصف اخیر میں دیوبندی مکتبۂ فکر کے لوگوں نے بھی یہ کام شروع کر دیا اور محشین و مصنفین کے نام اڑا کر کتابوں کو چھاپنا شروع کر دیا تاکہ قارئین یہ گمان کریں کہ مصنفین ومحشین بھی ناشرین ہی کے مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ جماعت اہل سنت میں اس سلسلے میں ایک عرصے تک جمود و تعطل کا ماحول رہا لیکن الحمدللہ اب مجلس برکات جامعہ اشرفیہ نے اس کا بیڑا اٹھالیا ہے۔ اس تناظر میں مولانا کا یہ مضمون نہایت اہم اور تقاضاے وقت کے عین مطابق ہے۔ موصوف نے، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، منطق، بلاغت، صرف ونحو وغیرہ فنون پر لکھے گئے علمائے اہل سنت کے شروح وحواشی کی ایک مختصر فہرست پیش کی ہے، اس میں خامی یہ ہے کہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کی صراحت نہیں کی گئی ہے جو ایک فہرست کا لازمی جز ہوا کرتا ہے۔ یوں ہی کتابوں کے اسما میں بعض جگہ تصرف کیا گیا ہے مثلاً علامہ غلام جیلانی میرٹھی کی شرح بخاری بشیر القاری کو ''البشیر القاری'' لکھا گیا ہے۔ ''ہیں منکر عجب کھانے غرّانے والے'' اس شمارے میں خلیل احمد رانا صاحب کی یہ دوسری تحریر ہے لگتا ہے مدیر صاحب کے مراسم رانا صاحب سے نہایت خوش گوار ہیں ورنہ یہ شرف کم ہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ رانا صاحب نے اپنی تحریر میں اعلیٰ حضرت پر کیے جانے والے بعض بے بنیاد اعتراضات کا مسکت جواب دیا ہے۔ ''اہل ایمان کے خلاف ایک خطرناک سازش کا انکشاف'' سید محمد سعید الحسین شاہ کی طویل مگر تحقیقی ومعلوماتی تحریر ہے۔ طاغوتی طاقتیں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ برسر پیکار رہی ہیں اور انہوں نے اہل ایمان کو ہر طرح سے ذک پہنچانے کی کوشش کی ہے، ان ہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنی زیر اثر کمپنیوں سے تیار ہونے والی اشیا میں ایسے اجزا ملاتے ہیں جو اسلامی نقطۂ نظر سے غیر مشروع ہیں، ستم یہ کہ لوگوں کو اس سے اندھیرے میں رکھا جاتا ہے اور لوگ ان اشیا کا بلا تردد استعمال کرتے ہیں۔ موصوف نے تحقیق وجستجو کے بعد کچھ کوڈز برآمد کیے ہیں جن سے ایسی اشیا کی شناخت کی جاسکتی ہے۔ امید کہ یہ مضمون اہل علم اور اربابِ عقل و دانش کے حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ کمپوزنگ کی غلطیوں کے سبب بعض جملے ذوق سلیم پر گراں ہیں مثلاً، ''پرہیز'' کو ''ہیز'' ''نبیذ'' کو ''بینذ'' ''حرام'' کو ''حرم'' ''زرد'' کو ''درد'' ''خبیث'' کو ''جبث'' کمپوز کیا گیا ہے۔ ''قلمی میدان میں ہماری غفلت اور فکرِ رئیس القلم''

غلام مصطفیٰ رضوی قادری کی انقلاب آفریں تحریر ہے۔ علامہ موصوف کے اقتباسات کے حوالے سے ان کی دینی و ملی ہمدردی اور عصر حاضر میں تحریر وقلم کی اہمیت دونوں پر خوب لکھا گیا ہے۔ اللہ ان کی تحریر اور شگفتہ بنائے۔ موصوف مضمون نگار کی بعض ترکیبیں توجہ طلب ہیں مثلاً ''علامہ کی فکر ونظر کی بلند خیالی اور قوم وملت الخ یہ ترکیب بھی کچھ ایسی ہے کہ ہمیں ''لب دریا کا کنارہ'' یاد آگیا، اسی طرح محاذ کو مجاز کمپوز کیا گیا ہے۔

''میرے رضا کا پاکستان'' مدیر افکار رضا زبیر قادری کا سفر نامہ ہے۔ یہ دوسری قسط ہے، سفر ناموں کی اہمیت و افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ سفر نامہ ابن بطوطہ اور سفر نامہ ابن جبیر آج بھی تاریخی ماخذ کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں، لیکن آج کے ماحول میں سفر ناموں کا مقصد درس وعبرت کم اور خود نمائی زیادہ ہے۔ زبیر قادری صاحب نے اپنے اس سفر نامے میں پاکستان کی دینی و مذہبی صورت حال کی واضح تصویر کشی کی ہے اور وہاں بسنے والے مسلمانوں کی غیرت وحمیت کو خوب للکارا ہے، تاہم بعض غیر ضروری باتیں بھی آگئی ہیں۔ سفر ناموں میں اس کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ جو کچھ لکھا جارہا ہے قارئین کے لیے اس میں کوئی افادی پہلو بھی ہے یا نہیں؟

رضا نامے کے کالم میں خورشید احمد سعیدی، خلیل احمد رانا، صادق رضا مصباحی کے تبصرے شامل ہیں، خورشید صاحب غالباً ہر مہینے تبصرہ لکھا کرتے ہیں اللہ انہیں استقلال عطا فرمائے۔ صادق صاحب کا تبصرہ نہایت دلچسپ ہے مولانا نے مضامین کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے، آپ لکھتے ہیں ''فلاح دارین'' کے حوالہ سے محمد نعیم صاحب الخ'' میری محدود معلومات کے مطابق وہ کلمات جن کے اخیر میں ہائے مختفی ہو، جب ان کے بعد نے، سے، کا، کے، کی، پر، میں جیسے الفاظ آئیں تو ہ کی جگہ ے آجاتی ہے جیسے پردے پر، کعبے میں، قصے کو وغیرہ، صادق صاحب المجمع الاسلامی مبارک میں شعبۂ تربیت وتصنیف کے طالب علم ہیں غالباً وہ اس سے بے خبر نہیں ہوں گے۔ لہٰذا ہم اسے ان کے سہو پر ہی محمول کرتے ہیں۔ ''نعت رنگ کا مولانا امام احمد رضا خان نمبر ایک جائزہ'' غلام مصطفےٰ رضوی صاحب کا مختصر تبصرہ ہے، موصوف نے مختصر جملوں میں نعت رنگ کا جامع تعارف لکھا ہے، کمپوزر صاحب کی کرم فرمائیاں یہاں بھی ساتھ ہیں، ان کا جملہ ''علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی کا بصیرت افروز مقالہ ''رضا کی زبان تمہارے لیے'' معائدیں و حاسدین کے لیے دعوت فکر دیتا ہے، قابل توجہ ہے۔ صحیح ترکیب معائدین و حاسدین کے لیے دعوت فکر ہے یا معائدین و حاسدین کو دعوت فکر دیتا ہے'' ہوگی، اللہ تعالیٰ رسالے کو استحکام بخشے۔ آمین۔

☆ خورشید احمد سعیدی، اسلام آباد انٹرنیشنل یونی ورسٹی، اسلام آباد، پاکستان

مجلہ افکار رضا کے ایک شمارے (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء O شعبان المعظم تا شوال المکرم ۱۴۲۶ھ) پر مختصر تبصرہ حاضر ہے۔ حسب سابق یہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں متنوع اغلاط کی نشاندہی کی گئی

ہے۔اس بار چونکہ اغلاط کی شرح کم ہونے کی بجائے بڑھ کر دوگنا تھی اس لیے وقت کی کمی کی وجہ سے فہرست اغلاط میں اردو، عربی اور انگریزی کی بیسیوں اغلاط کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ محترم ڈاکٹر مسعود صاحب زید مجدہ نے فرمایا ہے: ''متون کی صحت کتاب کی خوبصورتی سے زیادہ اہم ہے، یہ بات عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی''۔کاش کہ ہمارے قلم کار اور کمپوزر صاحبان اس پر کان دھرتے۔ دوسرے حصے میں اس شمارے کے مقالات اور مندرجات پر اظہار خیال پیش ہے۔

صفحہ	سطر نمبر	غلط	صحیح
3	۸	محفوظ	محفوظة
3	۹	بلی شکل	بائی شکل
3	۲۶	Apologotics	Apologetics
4	۱۴	بقیہ سورہ کی تعداد	بقیہ سُوَر کی تعداد
4	۱۶	۸۶۳	۸۶۳ نہیں، فرقان الحق کے صفحات ۳۶۸ ہیں
4	آخری	للنائمین	للتائبین
5	۱	اصبابعهم	اصابعهم
5	۲	بین لکم	یُبین لکم
5	۴	وذا قیل	وإذ قیل
5	۷	خلالا	حلالا
5	۱۸	ولن اتبعتم	ولئن اتبعتم
10:6	آخری:۱۰	بآلا اللہ	بآلاء اللہ
10	آخری	یہ اتری ہوتی ہے	یہ اتری ہوئی ہے
14	۱۶	Aside from	With the exception of
14	۲۴	The later	The latter
14	۲۹	انی سیاسیوں	انی شی ایشن
15	۱۳	ولو کنا من	ولو کان من
15	آخری	انجیل کے مرتہن	انجیل کے مرتبین
17	۵	بسم لاب الکلمته	بسم الآب الکلمته
18	۷	انتهو خیر لکم	انتهوا خیرا لکم
20	۱۵	قوم نے نکارا	قوم نے نکالا
21	۱۳	گیٹی (Goethe)	گوئٹے

22	۶	منزلہ کتاب	منزل کتاب
23	۱	آخری تنقیہات	E□خری تنقیحات
23	۱۷	مختلف والنظم	مختلف النظم
24	۲۵	امرونواہی	اوامرونواہی
25	۷	وَمکرَاالله	وَمَکَرَ الله
35	۱۹	تیسری توجیح	تیسری توجیہہ
36	آخری	استغاثه	استغاثۃ
39	۱	بعییری	بعیری
40	۲۰	راء ی	رأی
44	۱۰	واهل سنة	واهل سنته
45	۶	اختیار ورینا	اختیار رُونیا
46	۱۷	الحجرمی	الحضرمی
47	۲۱	شرعیه	شرعیة
48	۱	متلقاه	متلقاة
48	۵،۲	ان محمد	ان محمدًا
48	۸	متلقاه	متلقاة
48	۹	علهم السلام	علیهم السلام
48	۱۷	ان محمد	ان محمدًا
48	۱۸	حیّ خیرالعمل	حیّ علی خیرالعمل
48، 49	۲۴؛ ۷	امیرالمئومنین	امیرالمؤمنین
49	۹	مہتم	متہم
49	۱۷	انّما نتم	انّما تتم
50	۲۳	محمد واله	محمد والہٖ
52	۱،۶	شراع الاسلام	شرائع الاسلام
54	۶	فلیتبو المقعده من النار	فلیتبوأ مقعدهٗ من النار
54	۷	رواة	رُوَاۃ
55	۲۳	بکل شئی علیم	بکل شیءٍ علیم

57	۱۶	کتاب الصفۃ المنافقین	کتاب صفۃ المنافقین
59	۱۳	القرآن الحکیم ۲۵/۲	القرآن الحکیم ۶۵/۲_۳
59	آخری	جلد ۲۱ صفحہ ۲۱۸	جلد ۲۱ صفحہ ۲۱۶_۲۱۹
69	۱۳	الستحقاق	الاستحقاق
69	۱۳	مسلماحی	مسلماً حیاً
69	۱۴	اذکرا	ذکراً
70	۷	اطیعواللہ و اطیعو الرسول	اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول
70	۸	یھوون بامرنا	یھدون بأمرنا
71	۴	مناظر حسن گیلانی	مناظر احسن گیلانی
71	۶	الامام الکبر	الامام الکبیر
71	۱۵	اسم تفصیل	اسم تفضیل
72	۱۷	یستجب الترضی	یستحب الترضی
72	۱۸	و کذا ایجوز	و کذا یجوز
72	۱۸	علی الراجع	علی الراجح
72	۲۲	والانبیاء با لصلا	وسائر الانبیاء با لصلاۃ
72	۲۳	لسواھم	سواھم
72	۲۳	یسواھم	سواھم
73	۱۸	ان کومھتم کیا	ان کو متہم کیا
74	۱	علماے اظہر	علماے ازھر
76	۲۲	الیحضی	الیحصبی
76	۲۳	معرفۃ اخوال	معرفۃ احوال
76	۲۳	آصبہانی	اصبہانی
76	۲۶	عقبری	عبقری
77	۴	اللہ قلم سے	اللہ نے قلم سے
78	۱۶	بین اصبع الرحمن	بین اصابع الرحمن
79	۱	جواہر ابھر دیا	جواہر سے بھر دیا
79	۱۳	تشہیات	تشبیہات

79	۱۹	بخیل	تخیل
79	۲۰	تراکیب کا گھوراہ	تراکیب کا گہوارہ
79	۲۳	بٹادیئے	ہٹادیئے
83	نیچے سے ۴	طورپ	طور پر

مضامین کے افکار و نظریات سے متعلق میری رائے:

ا۔ افکار رضا کے اس شمارے میں پہلا مضمون "عیسائی فرقان حق۔ نقد و تجزیہ" کے نام سے محترم نوشاد عالم چشتی صاحب کا ہے جو افکار رضا سے پہلے ماہنامہ "اہل سنت کی آواز" نومبر ۲۰۰۵ء کے صفحہ ۴۳۵ تا ۴۷۰ پر شائع ہوا تھا۔ ماہنامہ نور الحبیب اوکاڑہ میں بھی اسی موضوع سے متعلق ایک مضمون شائع ہوا ہے لیکن یہ اپنی جامعیت اور اندازِ تحقیق کے اعتبار سے ایک منفرد مقالہ ہے جو کسی سُنی قلم کار کی طرف سے اب تک سامنے آیا ہے۔ اس سبقت اور کاوش پر محترم جناب نوشاد صاحب قارئین کے شکریے کے مستحق ہیں۔ اس مقالہ سے متعلق میری چند معروضات درج ذیل ہیں۔

i۔ اس میں کثرت اغلاط تو حضرت نعیم برکاتی صاحب زید علمہٗ کے مضامین میں پائی جانے والی اغلاط سے تجاوز کر گئی ہیں لہٰذا اب کی بار غلطیوں میں نمبر ایک یہی مقالہ ہے۔ اس کی بعض عربی، اردو اور انگریزی غلطیاں اوپر دی گئی فہرست کے آغاز میں تقریباً ڈیڑھ صفحہ پر ذکر کر دی گئی ہیں۔ مزید چند اہم اغلاط درج ذیل میں ملاحظہ ہوں۔ صفحہ 5 پر نمبر ۲ کے تحت منقول عبارت میں کئی غلطیاں یوں سمجھی جاسکتی ہیں۔

افکار رضا میں منقول	مخترع کتاب کی اصل عبارت
والذین کذبو بآیاتنا واستکبرو عنها لا تفتح لهم ابواب السماء ولا یدخلون الجنة حقی بلغ الجمل فی سم الخیاط فتولوا وارجعوا الی الذین القیم والسبیل القدیم. ص۳۹:۱۰	والذین کذبوا بآیاتنا واستکبروا عنها لا تفتح لهم أبواب السماء ولا یدخلون الجنة حتی یلج الجمل فی سم الخیاط فتوبوا و ارجعوا الی الدین القیم والسبیل القدیم. ص۳۸:۱۰

ii۔ صفحہ 7 پر دو طویل عربی عبارات جو "فرقان حق" سے نقل کی گئی ہیں ان کی غلطیاں یہ ہیں۔

افکار رضا میں منقول	مخترع کتاب کی اصل عبارت (P 12, v 2)
ولو کنتم انباء واوتیتم الحکمة واطلعتم علی الغیب و آتیتم بالمعجزات دون المحبة فلا حول لکم ولامنه دائما انتم مفترون	ولو کنتم انبیاءَ وأوتیتمُ الحکمةَ واطّلعتم علی الغیبِ و أتیتم بالمعجزاتِ دُونَ مَحبّةٍ فلا حول لکم ولامِنّةً وانّما انتم مفترون

iii۔اسی صفحہ پر منقول دوسری طویل عربی عبارت میں اغلاط اس سے زیادہ ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

افکار رضا میں منقول	مخترع کتاب کی اصل عبارت (P119, v4)
تقولون ان الرجال قوامون علی النساء واللائی تخافون نشوزهن فهظوهن واهجروهن فی المضاجع واضروبوهن فما مزز بشرعة الغاب بین الآسان وبین الهمائم والانعام	تقولون: "اِنَّ الرجالَ قوامونَ علی النساءِ واللاتی تخافونَ نُشوزهنَّ فعِظوهُنَّ واهجروهنَّ فی المضاجعِ واضربوهُنَّ فما مِزتم بشِرعةِ الغابِ بین الانسانِ وبین البهائم والانعام

iv۔اسی طرح صفحہ 8 پر منقول (اس سے اگلی) ورس میں بھی دو بے احتیاطیاں ہیں۔

افکار رضا میں منقول	مخترع کتاب کی اصل عبارت (P 120, v 5)
فالمراۃ بشرعتکم نصف وارث فل انذکر	فالمرأۃُ بشرعتکم نصف وارثٍ فللذکر

غلطیوں کی نشاندہی کے بعد اب اس مقالہ کی تشکیل (Format) کے بارے میں یہ عرض ہے کہ

v۔اس کا ایک تعارف یا مقدمہ ہونا چاہیے تھا جس میں مقالہ نگار عموماً پورے مقالے کا مختصر خاکہ اور خاص نکات بیان کرتا ہے۔ اسی طرح اس کا ایک عنوان اختتامیہ، خلاصۂ کلام یا نتائج بھی ہونا چاہیے تھا۔

vi۔مقالے کے عنوان اور اس کے تحت پیش کی گئی بحث میں گہرا ربط نہیں ہے۔ انہوں نے ''فرقانِ حق'' کے تجزیے اور نقد کو صفحہ نمبر 5-3، 8-7 اور صفحہ 16 تا 17 کے بعض مقامات دیئے ہیں۔ مقالے کے پورے صفحے ۲۵ ہیں مگر عنوان سے متعلق باتیں صرف سات صفحوں پر ہیں۔ انہوں نے زیادہ جگہ یعنی سترہ اٹھارہ صفحے اعجاز قرآن، قرآن کے دائمی چیلنج، قرآن ایک معجزہ، قرآن کے اثرات، قرآن کی حقانیت کے علاوہ عہد نامہ قدیم اور جدید کی تاریخ، ان میں پائے جانے والے تضادات اور عیسائیوں کی فطرت کو واضح کرنے کے لیے وقف کیے ہیں۔ اس طرح یہ کہنا درست معلوم ہوتا ہے کہ موضوع سے متعلق مواد کم ہے یعنی تجزیہ جامع اور از اول تا آخر نہیں ہے بلکہ اور چیزیں بھی دَر آئی ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کا تذکرہ غیر اہم ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اکثر مباحث موضوع سے براہ راست جڑے ہوئے نہیں ہیں۔

vii۔انہوں نے ''فرقانِ حق'' سے جو عربی عبارات نقل کی ہیں ان میں سے کئی ایک کا انگریزی ترجمہ بھی درج کر دیا ہے جبکہ ان کا اردو ترجمہ پیش نہیں فرمایا۔ اس کا نقصان یہ ہے کہ ان کے مقالے سے استفادہ کرنے والے قارئین کی تعداد کم ہو جاتی ہے۔ میرا خیال ہے عربی عبارتوں کو برائے تجزیہ نقل کرنا تو درست رہا لیکن ان کے انگریزی ترجمہ کو بھی نقل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

viii۔ جس طرح انہوں نے اعجاز قرآن کے ذیلی عنوان کے تحت سرخیاں بنا کر بات واضح کی ہے اسی طرح اگر وہ ''فرقان حق'' سے منقولہ عبارات کو بھی مختلف سرخیوں کے تحت زیر بحث لاتے تو بہتر ہوتا۔

ix۔ انہوں نے موضوع ''فرقان حق'' کے واضعین الصفی اور المہدی کے لیے'' ولید بن مغیرہ کے فطرت زاد بھائی'' کے القاب استعمال کیے ہیں۔ اس طرز سے غصہ تو ضرور ظاہر ہو جاتا ہے لیکن دلیل کی قوت یا استدلال کی علیت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ ہمیں ''وجادلھم بالتی ھی احسن'' پر عمل کرتے ہوئے ٹھوس علمی انداز میں ہی بات کرنے کو ترجیح دینی چاہیے۔

x۔ صفحہ 13 تا 14 پر انہوں نے ڈاکٹر موریس بوکائے کی مشہور کتاب سے ایک طویل اقتباس انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں نقل کیا ہے۔ انگریزی کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ میرے خیال میں جب اس کے اردو ترجمے سے اقتباس لیا گیا ہے اور اس کا حوالہ بھی دے دیا گیا ہے تو انگریزی اقتباس کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے برعکس انہوں نے یہ کیا ہے کہ صفحہ 18 پر ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورژن (R.S.V.) سے ایک انگریزی عبارت نقل کی ہے مگر اس کا ترجمہ یا مفہوم بیان نہیں کیا۔ اس کا ایک نقصان یہ ہے کہ قاری کو یہ علم نہیں ہوتا کہ کیا مقالہ نگار خود بھی اس عبارت کو سمجھے ہیں یا نہیں اور دوسرا یہ کہ عام قاری جو انگریزی نہیں جانتا اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

xi۔ میرا ترجمہ کردہ ایک مضمون افکار رضا (اپریل تا جون ۲۰۰۳، ص 54 تا 71) میں شائع ہوا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی ہے کہ انہوں نے اسے ذرا گہری نظر سے پڑھا ہے۔ نوشاد صاحب نے اس سے بھی طویل اقتباس لیے ہیں۔ اس میں بھی کہیں کہیں غلطیاں ہوگئی ہیں۔ مثلاً ص 13 پر منقول عبارت جسے انہوں حوالہ نمبر ۴ دیا ہے اس میں انہوں 'زبور/گنتی' لکھا ہے حالانکہ میں نے 'زبور/ مزمور ۱۴۶: ۳۔۴' لکھا تھا۔

xii۔ اسی طرح انہوں نے بعض منقولہ عبارات کے حوالے بھی نہیں دیئے مثلاً ص 23 پر امام غزالی رحمہ اللہ کا ایک قول تو نقل کیا مگر حوالہ نہیں دیا۔ اس سے مقالے کی تحقیقی حیثیت کم ہو جاتی ہے۔

xiii۔ صفحہ 16 پر حوالہ ۷ کے بعد حوالے کا انداز مختلف اور نمبر غلط ہے۔ اسے (۴) لکھنے کی بجائے ۸ لکھنا چاہیے تھا۔

۲۔ خلیل احمد رانا زید مجدہ نے ''المدد یا رسول اللہ ﷺ'' کے تحت حضور سیدی ومرشدی علیہ الرحمۃ کے خطابات وغیرہ سے جو علم کے موتی ترتیب دیکر افکار رضا کے صفحہ 28 تا 43 پر پیش کیے ہیں وہ نور کے مینارے ہیں۔ اس بار محترم رانا صاحب واحباب کی کوشش مضمون کی ترتیب کو اغلاط سے پاک رکھنے میں کافی حد تک کامیاب رہی ہے۔ اللہ کریم استقامت کی دولت عطا فرمائے۔

۳۔ صفحہ 44 تا 52 پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا رسالہ ''الادلۃ الطاعنۃ فی اذان الملاعنۃ'' ہے

جس کی حاشیہ نگاری محمد شریف رضا عطاری نے کی ہے۔ فتاویٰ سے نقل کرتے وقت بے احتیاطی کی وجہ سے اس میں کئی لحاظ سے خامیاں ہیں۔ جن میں سے بعض کا ذکر اوپر فہرست اغلاط میں کر دیا گیا ہے۔

i۔ بالفعل پر حاشیہ ۱ کے تحت ''ان دنوں شیعوں نے'' لکھنا غیر مفید اور غیر واضح ہے۔

ii۔ ص 44 آخری سطر میں 'نامردود بُزدل' لکھا ہے۔ فتاویٰ ج ۲۳ ص ۴۷۲ پر بھی ایسے ہی ہے۔ میرا خیال ہے اسے سیاق کے لحاظ سے 'نامرد و بُزدل' لکھنا درست ہے۔

۴۔ صفحہ 53 تا 56 پر پھیلا رحمت علی مصباحی زید علمہٗ کا مضمون ''امام احمد رضا اور ان کی وعظ گوئی'' کافی معلوماتی اور مفید ہے۔ اللہ انہیں مزید صلاحیتوں سے نوازے۔ ان کے مضمون کے آخر میں حوالے جات میں تو ۱ تا ۷ ایک ترتیب صعودی ہے لیکن مضمون کے اندر یہ ترتیب نہیں ہے۔ افکار رضا کے ص 53 پر ۳ کے بعد ۵ لکھا گیا ہے پھر ص 54 پر سطرے کے آخر میں دوبارہ ۵ مگر سطر ۱۰ میں ۲ لکھ دیا گیا ہے۔ یہ نہ صرف پریشان کن بلکہ گمراہ کن طریقہ ہے۔ ان کے مضمون میں دوسری بات ص 56 پر پائے جانے والے اُن کے جملے: ''اس کا امام جس میدان میں جا رہا اسی کی سکّہ رواں دواں نظر آ رہا ہے۔'' کے بارے میں ہے۔ یہ گنجلک اور غیر مستقیم جملہ ہے۔ جس کی وجہ سے پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔

۵۔ صفحہ 57 تا 59 ''ہمزاد کو قابو کرنے کی حقیقت'' کو جگہ دی گئی ہے۔ اس عنوان کے نیچے کسی کا نام نہیں کہ کس نے اسے فتاویٰ رضویہ سے اخذ کر کے لکھا ہے۔ اس کے آخر میں ''(ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد ۲۱ صفحہ ۲۱۸)'' درج ہے۔ اس سلسلے میں چار باتیں عرض کرتا ہوں۔

i۔ اگر لفظ 'جدید' سے مراد فتاویٰ کا وہ طبع ہے جسے رضا فاؤنڈیشن لاہور نے شائع کیا ہے تو پھر یہ حوالہ غلط ہے۔ اسے ہونا چاہیے: (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد ۲۱ صفحہ ۲۱۶-۲۱۹)۔

ii۔ جس نے اسے اخذ کیا ہے اس نے احادیث کی عربی عبارت تقریباً ہر جگہ سے حذف کر دی ہے اور جو ترجمہ پیش کیا گیا ہے اس میں بھی اپنی طرف سے بریکٹوں میں غیر مناسب اضافے کیے ہیں۔

iii۔ وہ حدیث جس کا ترجمہ افکار رضا کے صفحہ 57 اور فتاویٰ جلد ۲۱ صفحہ ۲۱۶ پر ہے اس میں ایک مسئلہ ہے۔ حضرت مفتی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ''صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں''۔ اس حدیث کی تخریج کرنے والے صاحب نے حوالہ دیا ہے: ''صحیح مسلم کتاب صفۃ المنافقین باب تحریش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۷۶/۲''۔ اب اگر ہم فتاویٰ میں دی گئی حدیث کی عبارت کا موازنہ صحیح مسلم میں موجود عبارت سے کریں تو ہم آہنگی مفقود ہے۔ درج ذیل میں خط کشیدہ کلمات ملاحظہ فرمائیں:

صحیح مسلم میں موجود عبارت	فتاویٰ رضویہ میں موجود عبارت
ما منکم من احد الا وقد وکّل الله بہٖ قرینہ من الجن، قالوا وایاک یا رسول الله قال وایای الا انّ الله اعاننی علیہ فاسلم فلا یامرنی الا بخیر	ما منکم من احد الا وقد وکل الله قرینہ من الجن وقرینہ من الملئکۃ، قالوا وایاک یا رسول الله قال وایای الا ان الله اعاننی علیہ فاسلم فلا یامرنی الا بخیر اھ

iv۔ اس کے علاوہ ایک مسئلہ فتاویٰ میں مذکور الفاظ ''اعنی علی روایۃ الفتح المؤیدۃ بما یأتی من الاحادیث. '' کو سمجھنے میں غلطی کا ہے۔ فتاویٰ میں موجود اس عبارت کے مترجم نے ''اعنی علی روایۃ الفتح'' کا ترجمہ کیا ہے: ''اس سے میری مراد فتح الباری کی روایت ہے'' (دیکھئے: فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۱، ص ۲۱۷)۔

مَیں نے کمپیوٹر کے ذریعے پوری فتح الباری شرح صحیح البخاری میں اس حدیث کو تلاش کیا۔ میرا خیال ہے کہ اس حدیث کا تذکرہ فتح الباری میں نہیں ہے۔ صحیح مسلم کے شارح امام نووی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں مذکور لفظ 'فاسلم' کو پڑھنے کی دو روایتیں ہیں۔ ایک علی روایۃ الرفع اور دوسری علی روایۃ الفتح۔ مطلب یہ کہ اس لفظ کو ایک روایت کے مطابق فَاَسْلَمُ پڑھا گیا ہے یعنی 'میں اس سے سلامتی پاتا ہوں' اور دوسری روایت کے مطابق فَاَسْلَمَ پڑھا گیا ہے یعنی 'وہ مسلمان ہو گیا ہے'۔

میرے خیال میں فتاویٰ میں مذکور اعلیٰ حضرت کے الفاظ ''اعنی علی روایۃ الفتح'' سے مراد فَاَسْلَمَ والی روایت ہے۔ اس سے فتح الباری مراد لینا درست نہیں ہے۔

۶۔ صفحہ 69 تا 73 پر پہلا محترم جناب مفتی عبدالمنان زید مجدہٗ کا مقالہ ''اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا، رضی اللہ عنہ کہنے پر مخالفین کے شبہات کا جواب'' بہت مفید اور معلوماتی ہے لیکن اس میں مذکور قرآنی، عربی اور اردو عبارات میں غلطیوں کی کثرت ہے۔ بعض کا ذکر میں نے اوپر فہرست اغلاط میں کر دیا ہے۔ یہاں میں صرف ''عبدالحیٔ'' سہ بار مذکور بر صفحہ 70 کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ قرآن مجید میں غالباً تین بار اللہ تعالیٰ کا ایک نام ''الحی'' پایا جاتا ہے۔ مثلاً آیۃ الکرسی میں ملاحظہ فرمالیں۔ آپ جس جگہ بھی دیکھیں گے آپ کو اس پر ہمزہ کہیں بھی نظر نہیں آئے گا۔ مگر افکار رضا میں یہ 'الحیٔ' بنا دیا گیا ہے۔ اگر اسے ہمزے کے ساتھ لکھیں گے تو میرے خیال میں یہ قرآنی کلمۃ میں صرف تحریف ہی نہ ہوگی بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا نام بھی نہیں رہے گا۔ ایسی صورت میں عبدالحیٔ' کا معنی کیا ہوگا؟ اس کی وضاحت فرما دیں۔ معلوم نہیں افکار رضا ایسا کیوں کرتا ہے کہ جہاں ہمزہ لکھنا ضروری ہے وہاں اسے تحریف بالحذف کا نشانہ بنا دیتا ہے اور جہاں اسے لکھنا نہیں چاہیے وہاں تحریف بالاضافہ کر دیتا ہے۔ قرآنی کلمات کی قرآنیت کو اردو میں مت بگاڑیئے۔

۷۔ صفحہ 74 تا 76 پر تاج محمد خان ازہری کا مضمون ''امام احمد رضا علمائے اظہر کی نظر میں'' ہے۔ معلوم نہیں 'علمائے ازہر' کی بجائے 'علمائے اظہر' کو ترجیح دی گئی ہے۔ اسی سے اندازہ کرلیں کہ اگر عنوان میں توجہ

نہیں دی گئی تو اس کے تحت مبحث میں کیا اغلاط ہوں گی؟ اسی طرح محمد رضا عبدالرشید زید علمہٗ کے مضمون ''قلم اور کلام کی عظمت'' میں جہاں غلطیوں کی کثرت ہے وہاں یہ بھی علم ہوتا ہے کہ اس کے راقم یا کاتب کو اعلیٰ حضرت کی شاعری کو درست شکل میں پیش کرنے کی کوئی خاص فکر یا دلچسپی نہیں ہے۔ بالخصوص وہ اشعار جو ضرب المثل کے درجے تک پہنچ چکے ہیں ان میں بھی غلطیاں کی جائیں تو ہمیں اعلیٰ حضرت سے اپنی محبت کا درجہ جان لینا چاہیے۔ ان دونوں صاحبان کی بعض اغلاط کا ذکر میں نے اوپر فہرست میں کر دیا ہے۔

۸۔ صفحہ 80 تا 83 پر مشتمل حضرت محمد عبدالمبین نعمانی قادری مدظلہ کی انتہائی توجہ طلب اور فکر انگیز گزارشات پر صرف کان ہی دھرنے کی ضرورت نہیں بلکہ دل و دماغ کی تمام صلاحیتوں کو متوجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کے اس جملے: ''فتاویٰ رضویہ بے شمار اغلاط سے پُر چھپ رہی ہے'' پر بار بار دل دماغ کو حاضر کرنے کی ضرورت ہے۔ میں ان سے سَو فیصد اتفاق کرتا ہوں۔ فتاویٰ رضویہ کے ساتھ ناشرین کا یہ رویہ بہت گمراہ کن ہے۔ اس سے استفادہ کے وقت عوام تو ایک طرف رہے اچھے خاصے پڑھے لکھے افراد دھوکے میں پڑ سکتے ہیں۔ مثلاً معارف رضا کراچی، سالنامہ ۲۰۰۶ء میں (صفحہ ۴۰ تا ۵۵) ''توحید اور فکر رضا'' کے نام سے ایک مقالہ شائع ہوا ہے۔ اس کے راقم نے فتاویٰ رضویہ کی جلد ۱۵ سے جو بہت سی عبارتیں نقل کی ہیں ان میں صحیح مسلم کی بھی ایک روایت ہے۔ فتاویٰ جلد ۱۵ ص ۵۳۰ پر اس روایت کے دو کلمات کو 'قِـد قِـد' لکھا گیا ہے۔ معارفِ رضا کے مقالہ نگار نے بھی اسی طرح نقل کر دیا ہے (دیکھیے: ص ۴۳) فتاویٰ رضویہ کی تخریج کرنے والوں نے اس روایت کا جو حوالہ پیش کیا اس کی مدد سے آپ صحیح مسلم میں دیکھیں تو وہاں یہ دو لفظ 'قَـدْ قَـدْ' ملیں گے۔ یعنی انہیں قَـدْ قَـدْ پڑھیں یا قَـدِ قَـدِ پڑھیں اور لکھیں۔ مگر قاف کے کسرہ کے ساتھ نہیں۔

میرے خیال میں ان مثالوں سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جب تک فتاویٰ رضویہ کو اغلاط سے پاک نہیں کر دیا جاتا اس وقت تک عوام تو کیا عام علما کو بھی اس کی (بالخصوص عربی) عبارات پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ ہاں ان کے پاس درست اور غلط کے درمیان تمیز کر لینے کے وسائل ہوں تو پھر وہ ضرور اس کا مطالعہ کریں اور جو اختلاف عبارات پائیں اسے دوسرے قارئین کے سامنے لائیں۔

۹۔ صفحہ 85 تا 86 کے رضا نامے میں حضرت ڈاکٹر صابر صاحب زید علمہٗ کے اگر یہ جملے ''اگر سعیدی صاحب اس تحریر سے مطمئن نہیں ہوئے تو ان شاء المولیٰ پھر لکھوں گا اور اگر انہوں نے مجھے مطمئن کر دیا تو اس کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔'' نہ ہوتے کہ جن میں اس طالب علم سے ایک مطالبہ کیا گیا ہے تو میں اپنی درج ذیل معروضات ان کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت نہ کرتا۔

پہلے تو میں عاجز انہیں تدبر و تفکر کی ایک دعوت دینا چاہتا ہوں کہ کیا ان کا میرے بارے میں یہ جملہ

حقیقت پر مبنی ہے؟'' املا اور انشا کے اسرار و رموز کے تو گویا وہ سمندر ہیں۔'' نہایت ادب سے عرض کروں گا کہ ان کا مجھے 'گویا سمندر' کہنا اب بھی انہیں درست معلوم ہوتا ہے تو پھر انہوں نے سمندر دیکھے ہی نہیں ہیں۔

مشفق ڈاکٹر صاحب مجھ ادنیٰ طالب علم کے تبصرے پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک بات یہ لکھتے ہیں:

''قرآنی الفاظ بے شک وحیِ الٰہی ہیں لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے ان کا املاء وحیِ الٰہی نہیں ہے۔ قرآن کریم تحریری شکل میں نازل نہیں ہوا۔ اگر ایسا ہوتا تو اس سے انحراف ضرور تحریف قرآن کے ذیل میں آتا۔''

مَیں نے لکھا تھا کہ افکار رضا کے مذکورہ شمارے میں سترہ عربی کلمات ایسے ہیں جو جمع مکسر وغیرہ ہیں اور ان میں بعض قرآن میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ان کے آخر میں ہمزہ لکھنا اور پڑھنا ان کی صحیح کتابت اور نطق کا حصہ ہے۔ ہمزے کو حذف کرکے انہیں جب لکھا جاتا ہے تو یہ تحریف کا ارتکاب کرنا ہوتا ہے۔ چاہے یہ عمداً ہو یا سہواً۔

میں نے یہاں املاء کے وحیِ الٰہی ہونے یا نہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ میں نے یہ بھی نہیں کہا کہ قرآن کریم تحریری شکل میں نازل ہوا تھا۔ لیکن سب اہل علم جانتے ہیں کہ قرآن مجید لغت قریش پر نازل ہوا تھا اور ہر لغت کے حروف ہجاء ہوتے ہیں۔ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نازل ہونے والی ہر وحی (وہ چاہے کوئی مکمل سورۃ ہوتی یا کسی سورۃ کی چند آیات) کا اپنے کاتبین وحی کو املاء کرواتے تو وہ ضرور حروفِ ہجاء استعمال کرتے ہوں گے۔ ہمزہ بھی ان میں شامل ہے۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کاتبین وحی ایسے حروف ہجاء استعمال کرتے ہوں گے جن پر آپ ﷺ راضی نہ ہوں۔ قرآن وحدیث کے وہ الفاظ جن کے آخر میں ہمزہ لکھنے پر آپ ﷺ راضی تھے کو آج ہمزہ کے بغیر لکھنا چاہے وہ اردو زبان میں ہی کیوں نہ استعمال ہو رہے ہوں ایک لحاظ سے نہ صرف کاتبین وحی صحابہ بلکہ آپ ﷺ کی مخالفت کے مترادف ہے۔

کتابتِ قرآن کے لیے کاتبین مختلف رسم الخط مثلاً خط نستعلیق، خط نسخ، خط رقعہ وغیرہ تو استعمال کرتے ہیں لیکن انہوں نے متعین حروفِ ہجاء کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مختلف ہجاء استعمال نہیں کیے۔ حروفِ ہجاء کا اندازِ کتابت تو مختلف ہوسکتا ہے مگر طرزِ ادائے حروف وکلمات کا اختلاف جو مشکلات و جدال پیدا کرتا ہے اس سے امت کو بچانے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حسب مشورہ حضرت سیدنا علی اور دیگر اعیان صحابہ رضوان اللہ علیہم امت کو خاص لغتِ قریش پر جمع فرمادیا۔ اب قرآن کے وہ کلمات جن کے آخر میں ہمزہ ہوتا ہے انہیں اس کے بغیر پڑھنا ان مشکلات و جدال بین الامت کو ایک دفعہ پھر زندہ کرنا ہے۔ کیونکہ جب ہمزہ کو حذف کریں گے تو پڑھنے میں اختلاف ضرور پیدا ہوگا۔

محترم ومکرم ڈاکٹر صابر صاحب زید علمہٗ کے یہاں منقول اس جملے پر کوئی مزید تبصرہ کیے بغیر میں درج ذیل میں ایک حوالہ نقل کیے دیتا ہوں اس کی روشنی میں میرے موقف کو دوبارہ سمجھنے کی کوشش کرنی

چاہیے۔ حضرت علامہ شیخ محمد عبد العظیم زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی علوم قرآن کے شعبے سے متعلق ایک بہت مشہور اور معتمد علیہ کتاب ''مناهل العرفان فی علوم القرآن'' ہے۔ اس وقت میرے پاس اس کا طبع ثانی از بیروت ہے۔ اس کے نام کے نیچے ''طبق ما قرره مجلس الأزهر الأعلى فى دراسة تخصص الكليات الأزهرية'' لکھا ہے یعنی یہ کتاب جامعہ ازہر میں قرآن کے تخصیصی مطالعے کے لیے ہائر بورڈ آف سٹڈیز کی طرف سے منظور شدہ ہے۔ اس کتاب کے جزء ثانی صفحہ نمبر ۴۳۰ پر ''أمور مهمة'' کے تحت وہ لکھتے ہیں:

''أولها: أن علماء نا حظروا كتابة القرآن بحروف غير عربية. وعلى هذا يجب عند ترجمة القرآن بهذا المعنى إلى أية لغة أن تكتب الآيات القرآنية إذا كتبت بالحروف العربية. كيلا يقع إخلال وتحريف فى لفظه؛ فيتبعها تغير وفساد فى معناه.''

قرآنی حروف کی کتابت کے بارے میں یہ اصولی قاعدہ بیان کرنے کے بعد حضرت علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ جامعہ ازہر کی فتویٰ کمیٹی کے ایک فتویٰ سے ایک عبارت یوں نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سئلت لجنة الفتوى فى الأزهر عن كتابة القرآن بالحروف اللاتينية، فأجابت بعد حمد الله والصلوة والسلام على رسوله بما نصه " لا شك أن الحروف اللاتينية المعروفة خالية من عدة حروف توافق العربية، فلا تؤدى جميع ما تؤديه الحروف العربية فلو كتب القرآن الكريم بها على طريقة النظم العربيى - كما يفهم من الاستفتاء - لوقع الاخلال والتحريف فى لفظه، ويتبعها تغير المعنى وفساده. وقد قضت نصوص الشريعة بأن يصان القرآن الكريم من كل ما يعرضه للتبديل والتحريف وأجمع علماء الاسلام سلفاً وخلفاً على أن كل تصرف فى القرآن يؤدى إلى تحريف فى لفظه أو تغيير فى معناه ممنوع منعاً باتاً، ومحرم تحريماً قاطعاً. وقد التزم الصحابة رضوان الله عليهم ومن بعدهم إلى يومنا هذا كتابة القرآن بالحروف العربية.'' (ص ۴۳۰-۴۳۱)

اس عبارت کا اردو ترجمہ میں عمداً ترک کر رہا ہوں کہ اصحابِ علم کے لیے اس کی ضرورت نہیں۔
میں یہاں صرف ایک بات کہہ کر اپنے مشفق ڈاکٹر صابر صاحب کے دوسرے جملے کی طرف توجہ کروں گا۔
پورے قرآنی متن کو بھی قرآن کہتے ہیں اور قرآن کے بعض کلمات حتی کہ ایک کلمہ کو بھی قرآن کہتے ہیں۔
اگر اردو زبان میں قرآنی اور عربی کلمات کی کتابت کے وقت آپ ان کی قرآنیت اور عربیت کا انکار کرتے ہیں اور انہیں ان کے اصلی معنوں میں استعمال نہیں کرتے تو مجھ جیسے ایک معمولی طالب علم کا محترم ڈاکٹر صابر جیسے صاحب علم وفضل سے کسی قسم کے اختلاف کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا لیکن اگر آپ ان کلمات کی قرآنیت اور عربیت کا انکار بھی نہیں کرتے اور انہیں ان کے غیر اصلی معنوں میں بھی استعمال نہیں کرتے تو

پھر مندرجہ بالا حوالہ کو ایک بار پھر غور سے پڑھ لیجیے اور سوچیے۔

اس فتویٰ میں محتاط رہنے کی ایک وجہ یہ بھی بتائی گئی تھی کہ قرآنی کلمات کو قرآنی اور عربی اندازِ کتابت (اور اس میں املاء بمعنی حروف ہجاء بھی شامل ہے) میں نہ لکھا جائے تو معنی میں تبدیلی وفساد پیدا ہو جاتا ہے۔ آیئے اس حقیقت کی ایک مثال اپنے ہی رسالے افکار رضا (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء)، ص 58، سطر ۲۲ سے لے لیتے ہیں۔ اس سطر میں ''شہدا کرام'' کی ترکیب میں موجود قرآنی لفظ 'شہداء' کو ہمزے کے بغیر لکھ دیا گیا ہے۔ فیروز اللغات اردو جامع میں 'شہدا' کے یہ معنی لکھے ہیں: ''لچا، بدمعاش، غنڈہ (۲) غریب مسکین'' ۔اب خود ہی غور فرمالیجیے۔

میرے مشفق محترم ڈاکٹر صابر صاحب زید مجدہ وعلمہٗ کا دوسرا جملہ جو قابل غور ہے یہ ہے: ''عربی سامی زبان کی شاخ ہے...زبانوں کا معاملہ الگ ہے اور دین وایمان کا الگ۔ ماہرین لسانیات بتاتے ہیں کہ عربی ہبرو Hebrew زبان کی اولاد ہے اور ہبرو یہودیوں کی زبان ہے۔''

میں مسکین اور کم علم طالب علم ڈاکٹر صاحب جیسی وجاہت علمی والی شخصیت کے سامنے اس خطرناک فکر پر بھی اپنی طرف سے کسی تبصرے کی جرأت نہیں کرتا بلکہ سید سلیمان اشرف علیہ الرحمۃ (م۱۹۳۹ء) کی کتاب 'المبین'، (مکتبہ قادریہ لاہور، ط۲، ۱۹۷۸ء) سے چند اقتباسات نقل کر دیتا ہوں۔ ان پر غور فرما کر اس جملے میں مذکور فکر کا وزن معلوم کیا جاسکتا ہے۔ (میں ایک دفعہ پھر مؤدبانہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ان اقتباسات کو پیش کرنے کا مقصد کسی کی توہین کرنا بالکل نہیں ہے)۔ وہ (صفحہ ۱۳۳ پر) لکھتے ہیں:

''بلکہ میرا مدعا صرف اس قدر ہے کہ کمال کا جو معیار زبان کے لیے قرار دیا جائے عربی زبان اُس میں ایسی کامل ثابت ہوگی کہ دوسری زبانیں اُس کے مقابلہ پر لائی نہیں جاسکتیں پھر اس مرتبہ کمال میں جو خصوصیات اور آئین وضوابط کی مراعات یہاں ہوگی اُس سے ظاہر ہوگا کہ عربی قدامت میں بھی اس قدر آگے بڑھی ہوئی ہے کہ دوسری زبانیں اس کے سامنے اپنی قدامت کا بھی دعوی کر نہیں سکتیں۔''

اپنی طویل بحث کے بعد سید سلیمان اشرف رحمۃ اللہ علیہ نے جو فیصلہ دیا ہے اسے ملاحظہ فرمالیجیے وہ (ص ۱۶۶) پر لکھتے ہیں: ''گزشتہ مباحث کی بصیرت افروزی نے اس بحث کا بھی خاتمہ کر دیا کہ عربی زبان دیگر السنہ سامی یا تورانی یا اریَن زبانوں سے ماخوذ ہے''۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ یہ'' جامد اور کورانہ تقلید کے نتائج میں سے ہے جواب یہ کہا جارہا ہے کہ عربی زبان کوئی مستقل زبان نہیں نہ عبرانی وسریانی زبانوں سے اس میں لفظ لیے گئے ہیں بلکہ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں رہ گئی جس نے اپنی سخاوت کا ہاتھ عربی کی طرف نہ بڑھایا ہو۔'' (ص ۱۶۷)

اسی سلسلے میں یہ دو اقتباس بھی لائق توجہ ہیں۔ حضرت سید سلیمان اشرف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''...یہ

مسئلہ بھی طے ہو گیا کہ عربی زبان کسی غیر زبان سے ماخوذ نہیں ہے اس لیے کہ اس کے سوا جو زبانیں ہیں اُن میں خامی موجود ہے۔ خام زبانوں سے پختہ زبان نہیں بن سکتی ہے اگر کوئی عربی کو کسی زبان سے ماخوذ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ کم از کم انھیں اوصاف کو اُس ماخذ میں ثابت کردے حالانکہ ماخذ میں باعتبار ماخوذ کچھ ندرت ہونی چاہیے لیکن جب ایسا ثابت کرنا رات کو دن ثابت کرنے کے مساوی ہے تو محض یہ کہدینا کہ یہ لفظ فلاں زبان سے لے کر ردوبدل ہو کر عربی میں آ گیا ہے محض دماغی تبخیر ہے۔" (ص ۱۷۷)

ان تحقیقات کے ہمارے پاس موجود ہونے کے باوجود یہ بات کہنا کہ 'عربی سامی کی شاخ ہے یا یہ کہ عربی ہبرو زبان کی اولاد ہے' بہت تعجب انگیز اندازِ فکر ہے۔

یہودیوں نے کتنا عرصہ عالم کی جہانبانی سے لطف اٹھایا؟ ان کی تہذیب وثقافت کیا ہے؟ ہبرو زبان کو پختگی تک پہنچانے کے لیے انہوں نے کیا ادب اور ادارے اہل عالم کو دیئے؟ اہل علم جانتے ہیں کہ یہ زبان تقریباً مردہ ہو چکی ہے۔ ان سوالوں اور ان کے جوابات کے پس منظر میں اگر ایک معزز مسلمان عالم دین عربی کو ہبرو کی اولاد تسلیم کرتا ہے تو یہ ادنی طالب علم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہنا چاہتا مگر حضرت سید سلیمان اشرف رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہی سے ایک یہ اقتباس ضرور پڑھنا چاہیے: "چنانچہ پروفیسر وٹنی اپنی کتاب اسٹڈیز آف لینگویج میں صاف لفظوں میں یہ کہہ گیا کہ عربی زبان اسی قوت وبلاغت کے ساتھ حجاز کی سرزمین میں اُس وقت بھی بولی جا رہی تھی جب کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر ارض موعود کی تلاش میں عرب کی وادیوں سے گزر رہے تھے۔" (ص ۱۷۸)

آدم کلارک اور پروفیسر وٹنی جیسے کفار عربی کی قدامت، سامی اور ہبرو پر اس کی فوقیت کے بارے میں کیا تسلیم کرتے ہیں اور ہم مسلمان ہو کر کیا تسلیم کرنا چاہتے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ کریم ہم مسلمانوں کو اپنی علمی تراث سے کماحقہٗ شناسا ہونے کی توفیق بخشے۔ آمین

اردو زبان کے ایک "مسلّم محقق" نے جو اصول وضع کیا ہے اور اس کے جواز کی جو دلیل بتائی ہے وہ تو غیر مسلّم ہے۔ کیا علمائے دین اسلام کو علمائے زبانِ اردو کی ایسی رائے کی اتباع کرنی چاہیے جس سے قرآنی کلمات کا مُثلہ کرنا جائز ٹھہرتا ہو؟ وجہ اور دلیل یہ بتائی گئی ہے کہ "ہمزۂ آخر تلفظ میں نہیں آتا"۔ ہمزے کا تلفظ میں نہ آنا ہمزے کے اختیار میں ہے یا قارئین کے اختیار میں؟ وہ لوگ جو قرآنی کلمات کا درست تلفظ نہیں کرتے انہیں کا لحاظ رکھنا اور انہیں کے پیچھے پیچھے چلنا اگر ضروری ہے تو شعبۂ تجوید وقرأت کی تمام کاوشوں کو سمیٹ کر رکھ دینا چاہیے۔ حالانکہ ہمیں تو یہ حکم ہے: "اقرء وا القرآن بلحون العرب وأصواتها و ایاکم وأصوات أهل الفسق وأهل الكتابين"۔ (حدیث حذیفہ مرفوعاً، مذکور فی الاتقان للسیوطی)

حضرت ڈاکٹر صاحب زید علمہٗ کی فرمائش جو اُن کے اِس جملے میں ہے: "اگر انہوں نے مجھے

مطمئن کر دیا'' کی تکمیل کاش میرے بس میں ہوتی۔ میں معذرت خواہ ہوں۔ اطمینان تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے نصیب ہو سکتا ہے اور ہاں میں اس کے لیے دعا ضرور کر سکتا ہوں۔

۱۰۔ مولانا نعیم برکاتی زید علمہٗ کی تحریر سے بہت خوشی اس بنا پر ہوئی کہ انہوں نے میری گزارشات کو غور سے ملاحظہ فرمایا ہے۔ اس خلوص پر وہ میرے شکریے کے مستحق ہیں۔ انہوں نے ان باتوں کو ذہن سے محو نہ ہونے دیا تو ان کی تحریر و تحقیق میں ضرور مثبت تبدیلی آئے گی۔ ان شاء اللہ۔ نعیم بھیا! ویسے آپ یہ بتائیں کہ آپ ایسے کمپیوٹر کو گولی سے کیوں نہیں اڑا دیتے جو آپ کے درست لکھے کو ہر بار اغلاط کثیرہ میں مبتلا کر دیتا ہے، مواد کی ترتیب کو بدل دیتا ہے اور کامل حوالہ جات کو بھی ناقص کر دیتا ہے؟ فتامل و تدبّر۔

تلک عشرۃ کاملۃ، والسلام

☆ صدر تحریک فکر رضا پاکستان، بے ٹی، ۲/۱۲۴، الطاف منزل، مدرسہ ضیاء طیبہ، نزد بادامی مسجد، گاؤ گلی، میٹھادر، کراچی، پاکستان۔ phone: 0212437879 Mobil: 0320-2066633

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے۔ میں پاکستان سے عرض کر رہا ہوں۔ دراصل ہم نوجوانوں نے مل کر پاکستان میں ایک تنظیم ''تحریک فکر رضا پاکستان'' بنائی ہے۔ ہم نوجوان کالج میں پہلے اور دوسرے سال کے طالب علم ہیں اور ہم آپ کو ہماری تنظیم سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہم بھی الحمد للہ مسلکِ اعلیٰ حضرت کی ترویج و اشاعت میں تقریباً تین سال سے مصروف عمل ہیں۔ اس کے علاوہ ہم نے ایک لائبریری قائم کی ہے جو اسی نام سے روشن ہے۔ اور اب تک ہم نے چار کتابیں شائع کی ہیں۔ چونکہ ہم ابھی نوجوان ہیں اس وجہ سے زیادہ اخراجات نہیں اُٹھا سکتے۔ ہم نے آپ کو آپ کے رسالہ ''افکارِ رضا'' کی وجہ سے یاد کیا کہ آپ ہماری لائبریری کے لیے کچھ کتابیں اور سہ ماہی افکارِ رضا بھجیں اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کی ترویج و اشاعت میں ہمارا بھرپور ساتھ دیں۔ ہم نے بھی آپ کو ہماری کتب ارسال کر دی ہیں۔ ہم آپ کے پیغام کے منتظر رہیں گے۔ امید ہے کہ ہماری حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔

☆ **اراکین مجلس المدینۃ العلمیۃ** (دعوتِ اسلامی)

عالمی مدنی مرکز فیضانِ مدینہ محلہ سوداگران پرانی سبزی منڈی باب المدینہ کراچی۔ پاکستان

فون: 021 - 4921389 - 90- 91 Ext: 1268

اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے پیارے حبیب ﷺ کے صدقے دین متین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ اعدائے دین و حاسدین سے آپ کی حفاظت فرمائے، آپ کی پریشانیوں کو دور فرمائے اور آپ کا سایۂ عافیت تا دیر ہم پر قائم و دائم فرمائے۔ آمین **بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم**

تبلیغِ قرآن و سنت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک ''دعوتِ اسلامی'' نیکی کی دعوت، احیاے سنت اور اشاعتِ علمِ شریعت کو دنیا بھر میں عام کرنے کا عزمِ مُصمّم رکھتی ہے، ان تمام امور کو بحسنِ خوبی سرانجام دینے کے لیے متعدد مجالس کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جس میں سے ایک مجلس ''المدینۃ العلمیۃ'' بھی ہے جو دعوتِ اسلامی کے علما و مفتیانِ کرام کثرھم اللہ تعالیٰ پر مشتمل ہے۔ جس نے خالص علمی، تحقیقی اور اشاعتی کام کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل چھ شعبے ہیں:

(۱) شعبۂ کتبِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ　　(۲) شعبۂ درسی کُتب
(۳) شعبۂ اصلاحی کتب　　(۴) شعبۂ تراجمِ کتب
(۵) شعبۂ تفتیشِ کُتب　　(۶) شعبۂ تخریج

''المدینۃ العلمیۃ'' کی اوّلین ترجیح سرکارِ اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنّت، عظیم البرکت، پروانۂ شمع رسالت، مجدد دین و ملت، حامی سنت، ماحیٔ بدعت، عالمِ شریعت، پیرِ طریقت، باعثِ خیر و برکت، حضرت علامہ مولانا الحاج الحافظ القاری الشاہ امام احمد رضا خاں علیہ رحمۃ الرحمٰن کی گراں مایہ تصانیف کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق حتی الوسع سہل اسلوب میں پیش کرنا ہے۔ اس سلسلے میں سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ۷ عربی رسائل اور آپ کے ۱۰ر رسائل کی تسہیل و تخریج کرنے کے بعد انہیں زیورِ طبع سے آراستہ کیا جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ المدینۃ العلمیۃ مختلف موضوعات پر تادمِ تحریر تقریباً ۶۰ر کتابیں شائع کر چکا ہے۔ اہل سنت و جماعت کے لیے یہ بات باعثِ مسرت ہوگی کہ الحمدللہ عزوجل، فتاویٰ شامی پر اعلیٰ حضرت الشاہ مولانا احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کا تحریر کردہ حاشیہ بنام ''جدالممتار'' کی پہلی جلد عنقریب ''المدینۃ العلمیۃ'' کی طرف سے عنقریب شائع کی جا رہی ہے۔ جدالممتار پر المدینۃ العلمیۃ میں درج ذیل کام کیا گیا:

(۱) جلد اوّل کی کمپوزنگ (۲) کمپوزنگ کا اصل نسخہ سے مقابلہ (۳) پروف ریڈنگ (۴) کمپوزنگ میں جدید رسم الخط کا اہتمام (۵) مکمل تخاریج (۶) تراجم الکتب (۷) تراجم الاعلام (۸) فہارس کی ترکیب (۹) فتاویٰ رضویہ سے امام اہل سنت مجدد دین و ملت مولانا احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کے ''اقول'' کا استخراج کر کے جدالممتار میں اندراج کرنا۔

جب کہ جدالممتار کی دوسری جلد پر تیزی سے کام جاری ہے۔ اس کے علاوہ بھی مختلف موضوعات پر تقریباً ۲۰ر کتب پر کام جاری ہے جو عنقریب منظرِ عام پر آ جائے گا۔ آپ سے درخواست ہے کہ اس علمی، تحقیقی اور اشاعتی مدنی کام میں ہر ممکن تعاون فرمائیں اور مجلس کی طرف سے شائع ہونے والی کتب کا خود بھی مطالعہ فرمائیں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دلائیں اور اپنے زیرِ سرپرستی شائع ہونے والے رسائل و جرائد میں ان کتابوں کا تعارف شائع کروائیں۔ الحمدللہ عزوجل! اراکین مجلس المدینۃ العلمیہ اہل سنت کے شائع ہونے والے ہفتہ وار، ماہانہ جرائد و رسائل میں بھی قلمی تعاون کرنے کے متمنی ہیں۔ بہت جلد علمی و

تحقیقی و اصلاحی موضوعات پر مختلف مضامین جرائد اہلِ سنت کو پیش کئے جائیں گے۔ امید ہے کہ وہ انہیں شائع کر کے اشاعتِ علم دین میں ہماری معاونت کریں گے۔ مدیرانِ کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر آپ اپنے جرائد و رسائل بذریعہ ڈاک یا دستی طور پر المدینۃ العلمیۃ کے مکتب کے پتے پر بھیج دیا کریں تو ہم آپ کے بہت شکر گزار ہوں گے کیونکہ تمام جرائدِ اہلِ سنت کا حصول دشوار ترین امر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو مسلکِ اہلِ سنت پر استقامت عطا فرمائے اور ہمیں زیورِ اخلاص سے مزین فرما کر خوب خوب دینی کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اخبارِ رضا

☆ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی نے امسال سالانہ امام احمد رضا کانفرنس کے موقع پر درجِ ذیل کتب کا اجرا کیا۔ (۱) ماہ نامہ "معارفِ رضا" کا سالانہ نمبر (۲) سال نامہ "معارفِ رضا" انگریزی (۳) سال نامہ "معارفِ رضا" عربی (۴) حیاۃ الامام احمد رضا (عربی) از: محمد اسلم رضا (۵) "مولانا احمد رضا خان کی عربی زبان و ادب میں خدمات" مقالہ برائے ایم فل (عربی) از: ڈاکٹر محمود حسین بریلوی (۶) "ملک العلماء" (خلیفۂ اعلیٰ حضرت علامہ ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ کی حیات و خدمات پر گراں قدر مقالات کا مجموعہ) (۷) "امام احمد رضا محدث بریلوی اور علما مکہ مکرمہ" از: محمد بہاء الدین شاہ (۸) "حضرت رضا بریلوی بحیثیت شاعرِ نعت" خلاصہ مقالۂ تحقیق، ڈاکٹریٹ آف فلاسفی از: مولانا ڈاکٹر امام الدین جوہر میاں شفیع آبادی (۹) رسالۂ اعلیٰ حضرت "الصمصام علیٰ مشکک فی آیۃ علوم الارحام" کا انگریزی ترجمہ بنام "EMBRYOLOGY" مترجم: خورشید احمد سعیدی۔ خواہش مند حضرات اس پتہ پر رابطہ قائم کریں: ۲۵ر جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل)، صدر، کراچی۔ ☆ ادارہ کو حال ہی میں کتابی سلسلہ "نعت نیوز" کی پہلی کاپی کراچی سے موصول ہوئی ہے۔ یہ پہلا شمارہ ہے۔ اس کے مدیر ہیں: محمد زکریا شیخ الاشرفی۔ ناشر: اشرفی انٹر پرائزیز، ہاؤس نمبر ۸۷۶، بلاک نمبر۲، شاہ فیصل کالونی، کراچی، پاکستان ☆ رضا اکیڈمی ممبئی کا دینی، علمی، اصلاحی و ادبی مجلہ سال نامہ "یادگارِ رضا" ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء شائع ہو گیا ہے۔ یہ شمارہ حضور مفتیِ اعظم ہند علامہ شاہ محمد مصطفےٰ رضا نوری بریلوی کے ۲۵ر عرس مبارک کے موقع پر "حضور مفتیِ اعظم نمبر" کے بطور پیش کیا گیا ہے۔ مرتب: غلام مصطفےٰ رضوی (مالی گاؤں)، یہ شمارہ رضا اکیڈمی، ۲۶ر کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی۳ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ☆ امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر، رام پور روڈ، بریلی شریف نے سال نامہ "تجلیاتِ رضا" ۲۰۰۶ء شائع کر دیا ہے۔

تنظیم ابنائے اشرفیہ کے زیراہتمام دو روزہ بین الاقوامی میڈیا سیمینار

اہلِ سنت کی عالمی تحریک "تنظیم ابنائے اشرفیہ" مبارک پور کی جانب سے الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ کی امام احمد رضا لائبریری کے کانفرنس ہال میں دو روزہ بین الاقوامی میڈیا سیمینار بہ عنوان "اسلام اور عصر حاضر کا چیلنج: میڈیا کے حوالے سے" ۱۸، ۱۹/ مئی ۲۰۰۶ء کو نہایت کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ سرزمین ہند میں اپنی نوعیت کا یہ بالکل منفرد سیمینار تھا جو وقت کے سب سے اہم اور حساس موضوع کے حوالے سے منعقد کیا گیا۔ اس موقع پر درجنوں علما و مشائخ، اہل علم و دانش، ارباب صحافت اور شہر کے سیکڑوں معززین، جامعہ کے اساتذہ و طلبہ وغیرہ نے بڑی تعداد میں شرکت فرمائی۔ سیمینار کے مرکزی عنوان کے کچھ ذیلی عنوانات بھی قائم کیے گئے تھے جن کے مطابق اہم مقالہ نگار حضرات نے اپنے اپنے مقالات پیش کیے۔ کچھ مقالات قلتِ وقت کی نذر ہوگئے، جنہیں تنظیم کے جنرل سکریٹری مولانا مبارک حسین مصباحی نے جلد ہی اردو اور انگریزی زبان میں شائع کرنے کا وعدہ فرمایا۔ ہر نشست میں مقالہ خوانی کے بعد کچھ وقت وقفۂ سوالات و جوابات کے لیے بھی رکھا گیا تھا۔ سیمینار میں خاص بات یہ دیکھی گئی کہ حاضرین میں سے سبھی مدعوین و مندوبین سیمینار کی کامیابی سے بے حد متاثر نظر آئے۔ طلبہ کا اپنا تاثر تھا کہ علمائے مدارس اور یونی ورسٹیوں کے دانش وران کے اتحاد و امتزاج کا یہ حسین منظر انہیں صرف اشرفیہ میں دیکھنے کو ملا ہے جس کی وجہ سے انہیں فکر و نظر اور احساس و آگہی کی ایک نئی دنیا کا احساس ہوتا ہے۔

پروگرام دو دن میں چار نشستوں پر مشتمل تھا۔

پہلی نشست :- ۱۸/ مئی ۲۰۰۶ء بروز جمعرات کو ۷/ بجے صبح تا ۱۲/ بجے۔

زیر صدارت :- حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی، بانی و مہتمم دارالقلم، دہلی۔

اس نشست میں چھ اہم مقالات پڑھے گئے۔ مقالہ خوانی سے قبل تلاوت قرآن پاک و نعت رسول ﷺ سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد مولانا ادریس بستوی نائب صدر تنظیم ابنائے اشرفیہ نے میڈیا کے حوالے سے افتتاحی خطبہ پیش کیا جس میں انہوں نے میڈیا کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ "آج ہر کام میڈیا کے ذریعہ انجام دیا جا رہا ہے۔ میڈیا کا منفی پہلو یہ ہے کہ اس کے ذریعہ ظالم کو مظلوم اور مظلوم کو ظالم بنا کر پیش کیا جا رہا ہے، انہوں نے کہا آج جو خبریں ہمارے پاس آتی ہیں وہ یہودیوں کے پاس سے ہو کر آتی ہیں اور وہ ان میں من مانی تصرف کر کے ہی دنیا تک ارسال کرتے ہیں چنانچہ آج میڈیا کی بدولت اسلام جو امن و سلامتی کا سب سے بڑا داعی ہے، اسے دہشت گردی سے جوڑا جا رہا ہے۔ اس کے نظریات تعلیمات اور تشخصات کو زبردست زک پہنچائی جا رہی ہے، اسے امنِ عالم کے لیے سب سے بڑا خطرہ قرار دیا جا رہا ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ اس کے باوجود ہم اس حقیقت کو نہیں سمجھ پا رہے ہیں، حالانکہ

ضرورت ہے کہ ہم اسے سمجھیں، اس پر سنجیدگی سے غور کریں اور مل جل کر منظم طریقے پر کام کریں، اسی مقصد کے لیے یہ سیمینار منعقد کیا جا رہا ہے۔''

پھر مولانا مبارک حسین مصباحی جنرل سکریٹری تنظیم ابنائے اشرفیہ نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا جس میں انہوں نے ملک و بیرون ملک سے آئے ہوئے دانش وروں، مقالہ نگاروں، علمائے کرام اور حاضرین محفل کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد دعوتِ فکر و احساس دیتے ہوئے فرمایا کہ ''آج بساط عالم سے لے کر خاکِ ہند تک میڈیا پر غیر مسلموں ہی کو بالا دستی حاصل ہے، رات کے کسی حصے میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوئی منصوبہ سطح ذہن پر ابھرتا ہے اور سورج کی پہلی کرن پھوٹتے ہی محسوس دنیا کے کناروں تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ شاید ہی کوئی ایسا دن گزرتا ہو جس میں مسلمانوں کے کسی حساس مسئلہ پر نشتر نہ چلایا جاتا ہو۔ کبھی اسلام کے نظریۂ جہاد کی غلط تشریح کی جاتی ہے، کبھی اسلام کو دہشت گرد مذہب لکھا جاتا ہے اور کبھی اظہارِ رائے کی آزادی کا نام لے کر محسنِ انسانیت ﷺ کی شان میں گستاخیاں کی جاتی ہیں۔'' سامعین کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ''اب میں آپ حضرات کے ذہنوں کو ایک اور حساس رخ کی جانب موڑنا چاہتا ہوں۔ میڈیا کی ذہن سازی کے نتیجے میں آج ہماری جدید نسل بڑی تیزی کے ساتھ فکری ارتداد میں مبتلا ہو رہی ہے، اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ نئی نسل مذہبی کتابوں اور اسلامی جرائد و رسائل سے بے نیاز رہتی ہے۔ ان کے مشاہدہ و مطالعہ کا محور جدید میڈیا ہے۔ اس میں جو کچھ اسلام کے حوالے سے آتا ہے وہ اس کو حق سمجھ لیتی ہے اور اب بڑی تیزی سے یہ نسل غیر شعوری طور پر اسلام کی عظمت سے نا آشنا اور اس کی فکر سے بے زار ہوتی جا رہی ہے۔'' انہوں نے مزید فرمایا کہ ''دین و ملت کے تعلق سے ملکی و بین الاقوامی سطح پر اس وقت جو مسائل کھڑے ہیں اور شب و روز جو نت نئے چیلنجز سامنے آ رہے ہیں، انفرادی سطح پر ان کا مقابلہ کرنا آسان نہیں اور نہ بہ حیثیت فرد کوئی پوری ملت کی جانب سے جواب دہ ہے، اس کے لیے علمائے دین اور دانش وران ملت ذمے دار ہیں کہ وہ باہمی اتحاد و اتفاق کے ساتھ وقت کے مبارزات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

اپنے کردار کی عظمت کو بچایا جائے ۔۔۔ بوجھ بھاری ہے، چلو مل کے اُٹھایا جائے

اس کے بعد سلسلہ وار مقالہ خوانی شروع ہوئی جن میں پہلا مقالہ مولانا افضل حسین مصباحی ایڈیٹر ماہنامہ ماہِ نور دہلی نے ''اخباری صحافت: اہمیت و افادیت'' کے موضوع پر پڑھ کر سنایا جس میں عہد قدیم میں خبر رسانی کا انتظام، آغاز و ابتدا اور عہد بہ عہد عروج وارتقا نیز میڈیا، پرنٹ میڈیا الکٹرانک میڈیا کی ایجاد، تقسیم و تعریف و خصوصیات وغیرہ کو تجزیاتی نقطۂ نظر سے پیش کیا۔ موجودہ صحافت کے منظر نامے پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے واضح کیا کہ اخبارات ہر شعبۂ حیات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ آج جہاں بھی جمہوریت قائم ہے اس میں اخبارات کا بہت بڑا دخل ہے۔ اخبارات جمہوریت کا چوتھا ستون کہلاتے ہیں۔

آج کے معاشرے میں فنِ صحافت مشن ہے اور کاروبار بھی۔ انہوں نے اپنے مقالہ میں اسلامی صحافت پر بھی بھرپور روشنی ڈالی۔ مولانا ناظم علی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ نے اپنا مقالہ ''نظریۂ تعدد ازدواج اور میڈیا'' کے موضوع پر پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ میڈیا خواہ مخواہ اس پر اعتراض کرتا ہے۔ حالانکہ یہ اسلامی مسئلہ ہونے کے ساتھ شخصی ضرورت بھی ہے۔ مثلاً عورت بانجھ ہے، ایسی بیماری ہے جس کی وجہ سے خاص تعلقات قائم کرنا دشوار ہو، کسی سے شادی کی بے انتہا رغبت پیدا ہوجائے یہاں تک کہ شادی نہ کرنے کی صورت میں ارتکاب گناہ کا قوی اندیشہ ہوجائے، قوتِ مردانگی بہت زیادہ ہو اور فعلِ حرام میں ملوث ہونے کا خطرہ لاحق ہو، عورت بدصورت ہو، جسمانی لحاظ سے معذور ہو اور کنوارا شخص قبول نہ کرتا ہو، اس کے علاوہ مختلف حادثات اور جنگوں میں مرد عموماً زیادہ مارے جاتے ہیں اور عورتیں بیوہ و بے سہارا رہ جاتی ہیں، مستزاد یہ کہ آج عورتوں کی کثرت ہے اور روز افزوں اضافہ ہوتا ہی چلا جارہا ہے، تو ان تمام صورتوں میں ایک سے زیادہ شادی کی اجازت شخصی ضرورت ہی نہیں معاشرتی ضرورت بھی بن جاتی ہے۔ انہوں نے زور دے کر فرمایا کہ پھر یہ تعدادِ ازدواج صرف جائز ہے عدل و استطاعت کی شرط کے ساتھ، حکم، واجبی نہیں۔ اسلام کا یہ نظریہ دور اندیشی اور بالغ نظری پر مبنی ہے۔ تیسرا مقالہ مولانا قمرالحسن مصباحی ایم۔ اے۔ (مقیم حال امریکہ) کا ''اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے امریکی صحافت کا کردار'' کے عنوان سے تھا جسے مولانا سجاد عالم مصباحی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے پڑھ کر سنایا، جس میں بتایا گیا کہ امریکہ کے جمہوری ملک ہونے کی وجہ سے یہاں آزاد صحافت کا دور دورہ ہے اور ہر مذہب و ملت کے لوگوں کو اپنے مذہب کی ترویج واشاعت کی پوری آزادی ہے۔ البتہ میڈیا کے دم پر یہاں اسلام کے خلاف ایک ایسا خوف ناک نقشہ کھینچا گیا ہے، جس سے عام آدمی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ میڈیا کی اس بدکرداری کے بالمقابل مسلمانوں کے پاس خاطر خواہ اخبارات نہیں لیکن اطمینان کی بات یہ ہے کہ اس سب کے باوجود یہاں اسلام سب سے زیادہ پڑھا اور سنا جانے والا مذہب ہے۔ چوتھا مقالہ ''استقامت کان پور: تعارف و جائزہ'' کے عنوان سے مولانا سلیم بریلوی مصباحی نے پیش کیا۔ پانچواں مقالہ ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ''ہندی اخبارات و رسائل کی اسلام مخالف سرگرمیاں'' کے موضوع پر پڑھ کر سناتے ہوئے کہا کہ ہندی اخبارات نے مسلمانوں کو اسلامی، معاشرتی، تہذیب و ثقافت اور مذہبی اقدار و روایات سے دور کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ یہی اخبارات تقسیم ہند کے بھی ذمہ دار ہیں۔ فی الوقت ہندی اخبارات دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جن کی سرشت ہی میں اسلام دشمنی شامل ہے، جیسے ممبئی کا اخبار ''سامنا'' اور ''پنجاب کیسری'' وغیرہ اور دوسرے وہ جو اسلام دشمنی کا کام بالواسطہ انجام دیتے ہیں جیسے دینک جاگرن، اور امر اُجالا، وغیرہ۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ بالواسطہ اسلام دشمنی زیادہ خطرناک ہے۔ مقالے کے آخر میں بعض

تجاویز بھی پیش فرمائیں۔ اس نشست کا آخری مقالہ مولانا صدرالوریٰ مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ نے ''ماہنامہ اشرفیہ کے تحقیقی مقالات'' کے عنوان پر پڑھ کر سنایا۔

دوسری نشست: ۱۸ر مئی ۲۰۰۶ء رات ساڑھے سات بجے سے ۱۱ر بجے تک۔

زیرِ صدارت: پروفیسر سید جمال الدین اسلم ڈائرکٹر البرکات ایجوکیشنل انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ

اس نشست میں سات مقالات پڑھے گئے۔ تلاوت قرآن اور نعت پاک کے بعد پہلا مقالہ ڈاکٹر امجد رضا امجد مدیر سہ ماہی ''رفاقت'' پٹنہ نے اخبار ''تحفۂ حنفیہ: تعارف و جائزہ'' کے عنوان سے پڑھ کر سنایا جس میں انہوں نے دعویٰ کیا کہ اس اخبار نے بہار میں مذہبی صحافت کی بنیاد ڈالی۔ اس کے بعد ''میڈیا اور دہشت گردی'' کے عنوان پر ڈاکٹر شفیق اجمل مصباحی بنارس نے اپنا مقالہ پیش کیا۔ تیسرا مقالہ ''انٹرنیٹ پر اسلام مخالفت مواد: ایک تنقیدی جائزہ'' کے عنوان سے مولانا حسیب اختر مصباحی استاذ شعبۂ کمپیوٹر جامعہ اشرفیہ نے پڑھ کر سنایا جس میں بتایا کہ انٹرنیٹ پر بہت سا ایسا مواد ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے حق میں سخت مضر ہے۔ مثلاً ۱۹۹۹ء میں امریکہ سے شائع ہونے والا ''الفرقان الحق'' انٹرنیٹ پر موجود ہے جس میں اسلام کے بنیادی اصولوں اور قوانین حیات پر انگشت نمائی کی گئی ہے۔ جیسا کہ لکھا ہے کہ زنا کی سزا رجم اسلامی نہیں اختراعی ہے، چور کا ہاتھ کاٹا جانا بھی اسلامی نہیں ہونا چاہیے۔ تعدد ازدواج کی اجازت بھی قدیم عہد میں تھی جب بیوہ اور بے سہارا عورتوں کی کفالت پر حکومتیں توجہ نہیں دیتی تھیں۔ بائبل ڈاٹ کام میں قرآن کے آسمانی کتاب ہونے پر متعدد اعتراضات کیے گئے ہیں، مثلاً قرآن کے احکام میں نسخ ہوا ہے جب کہ خدائی احکام میں تبدیلی ممکن نہیں۔ بائبل کے مقابلے میں اخلاقیات کی کمی ہے، بائبل کی مخالفت کی گئی ہے، بہت سے مقامات پر تضاد ہے وغیرہ، لہٰذا ایسی کتاب آسمانی نہیں ہوسکتی۔ انٹرنیٹ پر بہت سا اسلام مخالف مواد اسلامی تعلیمات کے نام سے موجود ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ میڈیا اور خاص کر انٹرنیٹ پر ہماری گرفت مضبوط نہیں ہے۔ مقالہ خاص توجہ سے سنا گیا اور بہت پسند کیا گیا۔ اس مقالے کے اختتام پر صدر اجلاس نے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اب ہمارے علمائے کرام کے ذہنوں میں یہ بات محفوظ ہو جانا چاہیے کہ اسلام کے دفاع و تحفظ کے لیے انٹرنیٹ کا استعمال وقت کی اہم ضرورت ہے۔ چوتھا مقالہ ''تاج دار ویکلی بمبئی: تعارف و جائزہ'' کے عنوان سے ڈاکٹر صابر سنبھلی مرادآبادی کا تھا جسے مولانا راحت علی مصباحی نے پڑھ کر سنایا۔ پانچواں مقالہ ''اسلامی صحافت میں علمائے اہلِ سنت کا کردار'' کے عنوان سے ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی مدیر اعلیٰ ''اسلامک ٹائمس'' بریلی نے پیش کیا جس میں انہوں نے اسلامی صحافت کے مفہوم کی وضاحت، آزادی ہند سے قبل اور بعد کی اسلامی صحافت کے حوالے سے اہلِ سنت کے کردار کا عہد بہ عہد تاریخی جائزہ پیش کیا۔ چھٹا مقالہ مولانا صدرالاسلام مصباحی، جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی نے

''فرزندانِ اشرفیہ بہ حیثیت مدیر'' کے موضوع پر پیش کیا جس میں مصباحی حضرات کے زیر ادارت ملک و بیرون ملک سے نکلنے والے اردو اور انگریزی زبان کے رسائل و جرائد کا تعارف و تجزیہ کرتے ہوئے نو فارغ فرزندانِ اشرفیہ کی موجود ادارتی سرگرمیوں کا جائزہ لیا۔ اس نشست کا ساتواں اور آخری مقالہ ''اسلام اور عیسائی میڈیا ایک تاثر'' کے موضوع پر ڈاکٹر موصوف احمد استاذ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے پیش کیا۔

تیسری نشست کا آغاز ۱۹ر مئی ۲۰۰۶ء بروز جمعہ صبح سات بجے سے مفتی عبدالمنان کلیمی مفتی شہر مراد آباد کی صدارت میں ہوا۔

اس نشست میں کل ۹ر مقالے پڑھے گئے جن میں پہلا مقالہ تنظیم کے نائب صدر مولانا ادریس بستوی نے پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ماہنامہ اشرفیہ بنیادی طور پر ایک کامیاب مذہبی رسالہ ہے جو دین و ملت کی خدمات انجام دیتا ہے مگر وقتاً فوقتاً قومی و ملی مسائل اور تاریخ و سیاست پر بھی مضامین شائع کرتا ہے۔ دوسرا مقالہ ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی، مدیر ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی نے ''ماہنامہ نوری کرن بریلی: تعارف و جائزہ'' کے موضوع پر اور تیسرا مولانا سجاد عالم مصباحی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے ''انگریزی اخبارات و رسائل میں اسلام مخالف سرگرمیاں'' کے عنوان سے پیش کیا۔ مولانا سجاد عالم مصباحی نے اپنے مقالے میں کہا کہ میڈیا کے مثبت و منفی دونوں پہلوؤں کو سمجھنا ضروری ہے۔ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ خبریں کس سماجی، سیاسی اور معاشی پس منظر میں پیش کی جارہی ہیں اور انہیں عوام کس پس منظر میں سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میڈیا میں لکھنے والے اکثر سیکولر قلم کار ہوتے ہیں اور بسا اوقات اسلام کی ترجمانی بھی کرتے ہیں، مگر وہ اسے زیادہ اہمیت نہیں دیتے، نہ انہیں اس کے بارے میں زیادہ معلومات ہوتی ہیں، اس لیے ان کے متوازن و متبادل طبقۂ اہل علم وقلم کو آگے آنے کی ضرورت ہے، اسی کے ساتھ چار کام بہت ضروری ہیں۔ سوچ کو بدلا جائے، میڈیا کی طاقت حاصل کی جائے، جدید رجحانات کو سمجھا جائے اور غلط کردار و عمل سے میڈیا کو غلط نمائندگی کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔ چوتھا مقالہ ڈاکٹر حمایت جائسی سب ایڈیٹر روز نامہ راشٹریہ سہارا لکھنؤ نے ''فرقہ وارانہ فسادات اور میڈیا کا کردار'' کے عنوان پر پیش کرتے ہوئے میڈیا کے مثبت و منفی پہلوؤں پر بڑی اچھی گفتگو فرمائی۔ پانچواں مقالہ ڈاکٹر صابر سنبھلی نے ''ماہنامہ اہلِ سنت سنبھل: تعارف و جائزہ'' پڑھ کر سنایا۔ چھٹا مقالہ ڈاکٹر سراج احمد اجملی شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ''اسلام اور دہشت گردی'' کے موضوع پر پیش کرتے ہوئے اسلام کے خلاف میڈیا کے کردار کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ عصر حاضر کی مناسبت سے بعض مفید تجاویز کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ آج ضرورت ہے کہ کیو ٹی وی جیسے اسلامی چینل کھولے جائیں۔ مختلف مذاہب کے جانکار تربیت یافتہ افراد تیار کیا جائیں۔ غیر مسلموں کے سامنے صحیح اسلامی تعلیمات پیش کی جائیں۔ مذہبی جلسوں کے اسٹیجوں سے غیر مسلموں تک اسلام کی صحیح

تصویر پیش کی جائے اور اسلامی اخلاقیات اور انسان دوستی پر مشتمل مضامین زیادہ سے زیادہ شائع کیے جائیں۔ ساتواں مقالہ ''اسلامی بنیاد پرستی اور میڈیا'' مولانا محمد اسحاق مصباحی رام پوری نے پڑھ کر سنایا۔ انہوں نے فرمایا کہ میڈیا سے بہت زیادہ گھبرانے کی ضرورت نہیں کیوں کہ اس میں سیکولر افراد بھی موجود ہیں اور وہ اسلام کے موافق بھی لکھتے ہیں البتہ انہیں اسلام کی معلومات زیادہ حاصل نہیں ہوتیں اس لیے ان تک صحیح تعلیمات اسلامیہ پہنچانا چاہیے، ہمیں خود بھی لکھتے رہنا چاہیے۔ افسوس یہ ہے کہ ہماری باتیں اردو تک محدود ہیں۔ آٹھواں مقالہ مولانا اشرف الکوثر مصباحی دارالقلم دہلی نے ''میڈیا میں ہمارا کردار کیسے موثر ہو'' کے موضوع پر پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ آج مغرب کی قیادت زوال آمادہ ہے اور اب ہمیں آگے آنا ہوگا۔ انہوں نے میڈیا میں اپنے کردار کو موثر بنانے کے تعلق سے کہا کہ اس کے لیے ضروری ہے کہ میڈیا کورس کیے جائیں۔ علمائے کرام طلبا کو میڈیا کی جانب توجہ دلائیں۔ کسی سے بوقت مخاطبہ سنجیدہ زبان اور اخلاق کا خصوصی لحاظ رکھا جائے۔ طرزِ استدلال میں تبدیلی لائی جائے اور معقولیت اور سائنٹفک طریقے کو بنیادی حیثیت دی جائے۔

چوتھی نشست: ۱۹ر مئی ۲۰۰۶ء ساڑھے سات بجے تا ۱۱ر بجے شب

زیرِ صدارت: حضرت عزیز ملت علامہ شاہ عبدالحفیظ صاحب سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ۔

اس نشست میں صرف دو مقالے پڑھے گئے، جن میں پہلا مقالہ مولانا مقبول مصباحی سب ایڈیٹر مسلم ٹائمس ممبئی نے ''مدارس اسلامیہ اور میڈیا کا کردار'' کے عنوان سے پیش کیا، جب کہ دوسرا ڈاکٹر خواجہ اکرام، ماس میڈیا کورس انچارج جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی نے ''فنِ صحافت اور اس کے ذیلی شعبے'' کے موضوع پر پڑھ کر سنایا۔ ڈاکٹر خواجہ اکرام نے اپنے مقالے میں میڈیا کی اہمیت بتاتے ہوئے فرمایا کہ فنِ صحافت اتنی ترقی کر گیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے کہ اسے کیا نام دیا جائے، سماجی ادارہ کہا جائے یا محض تماشا۔ انہوں نے کہا کہ آج صحافت کا نہ اپنا کوئی معیار ہے نہ کوئی نقطۂ نظر۔ اس کے سامنے صرف اقتصادی فائدے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ عہدِ حاضر میں مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ میڈیا میں تجارتی نقطۂ نظر سے اپنا اثر پیدا کریں۔

پروفیسر سید جمال الدین اسلم نے ''انگریزی اخبارات و رسائل کی اسلام مخالف سرگرمیاں'' کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ آپ نے اپنے موضوع پر تفصیلی گفتگو کے بعد فرمایا کہ آج کے علمی دور میں ہماری تحریریں سنجیدہ ہونا چاہیے اور ادبی عمل یا تنقید کرتے وقت علمی رویہ ہونا چاہیے۔ انہوں نے فرمایا کہ آج کے دور میں ضروری ہے کہ تشخص کو باقی رکھتے ہوئے غیر جانب دار ہو کر لکھا جائے۔

نشست کا اختتام صلوٰۃ وسلام اور حضرت عزیز ملت کی دعا پر ۱۱ر بجے شب میں ہوا۔

مولانا ناصر رام پوری

ہندستان میں شائع ہونے والے سُنّی جرائد

مرتب: محمد زبیر قادری

اسمائے جرائد	اسمائے مدیر	رابطے کا پتے
○ ماہ نامہ اعلیٰ حضرت	علامہ سبحان رضا خان سبحانی میاں	رضا نگر، ۸۴، سوداگراں، بریلی شریف، یوپی فون: ۰۵۸۱_۲۴۱۰۵۹۵
○ ماہ نامہ اشرفیہ	مولانا مبارک حسین مصباحی	مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی۔۲۷۶۴۰۴ فون: ۰۵۴۶۲_۲۵۰۴۱۹
○ ماہ نامہ سُنّی دنیا	مولانا شہاب الدین رضوی	۸۲، سوداگراں، بریلی شریف، یوپی
○ ماہ نامہ کنزالایمان	علامہ یٰسین اختر مصباحی	۴۲۳، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔۶ ۰۱۱_۲۳۲۶۴۵۲۴
○ ماہ نامہ جامِ نور	خوشتر نورانی علیگ	۴۲۲، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔۶ فون: ۰۱۱_۲۳۲۸۱۴۱۸ / ۹۳۱۳۷۸۳۶۹۱
○ ماہ نامہ ماہِ نور	سید ابوالحسن اشرفی	۴۱۹، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔۶ فون: ۰۱۱_۲۳۲۶۱۴۴۱۳
○ ماہ نامہ اہلِ سُنّت	مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی	دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی، ضلع بستی، یوپی فون: ۰۵۵۴۲_۲۷۸۶۵۳
○ ماہ نامہ اسلامک ٹائمز	مولانا عبدالنعیم عزیزی	۱۰۴، جسولی، بریلی شریف، یوپی فون: ۰۵۸۱_
○ ماہ نامہ القُدس	محمد عطاء المصطفیٰ حبیبی قادری	جامعہ فیض العلوم، حبیب آباد، پکسرانواں، رائے بریلی۔ یوپی فون: ۰۵۳۱۱_۲۷۵۳۴۵
○ ماہ نامہ سیارگان	محمد اقبال عثمان میمن	ملکانی اسٹیٹ، بان ڈونگری، اشوک نگر، کاندیولی (مشرق)، ممبئی۔۱۰۱ فون: ۰۹۳۲۴۶۲۶۱۱۴
○ ماہ نامہ المصباح	سید محمد اشرف اندرابی	شاہِ ہمدان میموریل ٹرسٹ، پانپور، کشمیر ۱۹۲۱۲۱ فون: ۰۱۹۳۳_۲۲۳۲۶۷

○ماہ نامہ البرکات	علی احمد سیوانی	مکان نمبر ۴۰۱، گلی نمبر ۲۰ اے، عقب رضا مسجد، ذاکر نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵ فون: ۰۱۱-۵۵۶۸۸۷۰۱
○ سہ ماہی رفاقت، پٹنہ	مولانا غلام رسول بلیاوی	ادارۂ شرعیہ بہار و جھارکھنڈ، سلطان گنج، پٹنہ
○ سہ ماہی فیضان	ڈاکٹر غلام زرقانی	مدرسہ فیض العلوم ، دھتکڈھیہ، جمشید پور، جھارکھنڈ فون: ۰۶۵۷-۲۲۲۸۲۷۷
○ سہ ماہی امجدیہ	مولانا فیضان المصطفیٰ اعظمی	جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، ضلع مئو، یوپی
○ سہ ماہی تبلیغِ سیرت	محمد مجاہد حسین حبیبی	۶ر تال تلا لین، کول کاتہ-۱۴ فون: ۰۳۳-۲۲۱۶-۷۱۵۱
○ سہ ماہی جامِ شہود	سیّد رُکن الدین اصدق	مدرسہ اصدقیہ مخدوم شریف، پکّی تالاب، بہار شریف (نالندہ) ۸۰۳۱۰۱ فون: ۰۶۱۱۲-۲۲۳۴۶۲
○ سہ ماہی برکاتِ غازی	شبیر مسعودی	محلّہ نورالدین چک عید گاہ، درگاہ شریف، بہرائچ-۲۷۱۸۰۱ (یوپی)
○ سہ ماہی سُنّی دعوتِ اسلامی	مولانا محمد زبیر مصباحی	فرسٹ فلور، ۱۲۸، شیدا مارگ، چارنل، ڈونگری، ممبئی-۹ فون: ۲۳۴۳۴۳۶۶

نوٹ: (۱) یہ فہرست نا تمام ہو سکتی ہے اس لیے کہ ہندستان میں اہلسنت کے شائع ہونے والے تمام رسائل ہمیں دست یاب نہیں ہوتے۔ نہ اُن کی اطلاع کسی اور ذریعہ سے ہوتی ہے۔ اگر کسی قاری کے علم میں مزید رسائل کی اطلاع ہو تو ارسال فرمائیں۔ ہم اگلے شمارے میں شائع کر دیں گے۔ (۲) سہ ماہی الکوثر عرصہ ہوا بند ہو چکا ہے۔ لیکن چونکہ مولانا ملک الظفر سہسرامی صاحب اب تک اپنے نام کے آگے چیف ایڈیٹر الکوثر لکھتے رہتے ہیں اس لیے اکثر احباب کو یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ یہ رسالہ جاری ہے اور وہ ہم سے طلب کرتے ہیں۔ اس غلط فہمی کو دور کرنا سابق مدیر کا کام ہے۔

تحریک فکر رضا

ہمارے مقاصد :

☆ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے افکار ونظریات کو زیادہ سے زیادہ متعارف کرانا۔

☆ علماء اہل سُنّت وجماعت کی رہنمائی میں مفکرین اور محققین کی ایک ٹیم کا فکر رضا کی ترویج واشاعت میں دن رات کوشاں رہنا۔

☆ امام احمد رضا کی تصانیف کو سہل انداز میں جدید اسلوب کے ساتھ شائع کرنا۔

☆ امام احمد رضا کی تصانیف کو ملک کی مختلف اور بین الاقوامی زبانوں میں شائع کرانا۔

☆ اربابِ فکر ودانش کو امام احمد رضا کی تحقیقات کی طرف متوجہ کرنا۔

☆ ہر اُٹھتے ہوئے سوالوں کا امام احمد رضا کی تحقیقات کی روشنی میں جواب دینا۔

فکر رضا کو عام کرنے کے لیے آپ ہمارا تعاون کیجیے۔
آپ کا تعاون جہاد بالقلم میں ہمارا مددگار رہوگا۔

AFKAR-E-RAZA (URDU QUARTERLY)
95, Undria Street, Chowki Mohalla, Mumbai - 400 008. E-mail : editor@fikreraza.net

If Undelivered Please return to : M. ISHAQ 45/A, Memonwada Road, 2/6, Mumbai - 400003.